مجلّہ
سہ ماہی
رشد وہدایت

۲ جنوری تا مارچ ۲۰۱۸ء



مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

مدیر مسئول

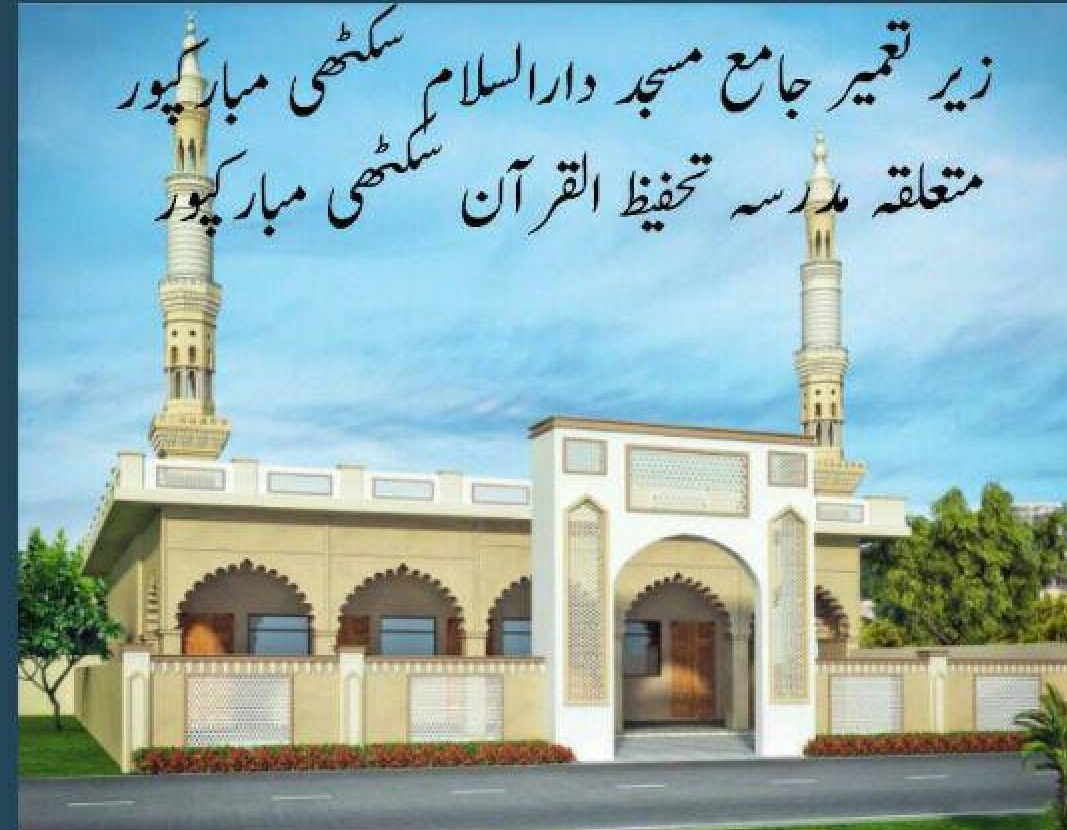
مولانا عبدالعظیم قاسمی

مرکزِ اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن

سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ (یو.پی.) 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com





MADRASA TAHFIZUL-QURAN

Sikthi, Mubarakpur, Aazamgarh (U.P.) 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی

مجلّہ رُشد و ہدایت

جلد نمبر: ۳ | ربیع الثانی تا جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ (جنوری تا مارچ ۲۰۱۸ء) | شمارہ نمبر: ۲

زیر نگرانی: مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی، استاذ مدرسہ تحفیظ القرآن

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

زرِ تعاون

سالانہ: =/100 | فی شمارہ: =/25 | خصوصی: =/1000

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز سخن

از:۔ مدیر تحریر

مسلمانوں کی معاشی واقتصادی پسماندگی، سماجی ومعاشرتی انتشار اور ملی ومسلکی تنازعات پر جب بھی بحث ہوتی ہے تو سب سے بڑی وجہ جدید معاصر علوم وفنون سے محرومی اور دوری کو بتایا جاتا ہے، بڑے بڑے بین الاقوامی تجزیہ نگار اور ماہرین فن یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ علوم وفنون کے جدید تقاضوں سے ناواقفیت نے مسلمانوں کو عروج وارتقا کی شاہراہ سے ہٹا کر پستی وزبوں حالی کے گڈھے میں گرادیا ہے۔

اس کے برعکس مسلمانوں کو جو آسمانی دستور اور ربانی قانون قرآن وحدیث کی شکل میں عطا کیا گیا ہے اس میں حصول علم کو بنیادی حیثیت تو ضرور دی گئی ہے لیکن صرف اسی کو کامیابی وکامرانی اور سرفرازی وسربلندی کا سبب نہیں بتایا گیا ہے، یہ کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ تمہاری کامیابی کا راز جدید علوم وفنون اور اکتشافات وایجادات اور کثرت علم میں ہے، بلکہ اللہ کی اطاعت اور ایمانی پختگی وصلابت، ملی وحدت، فکری یکسانیت اور صلاح وتقویٰ جیسی باتوں کو مسلمانوں کی طاقت وقوت کا اصل سرچشمہ قرار دیا گیا ہے، اور تاریخ اسلام، سیرت رسول اکرم اور سیر صحابہ میں مسلمانوں کے ابتدائی حالات اور فتوحات اسلامیہ کے احوال کو جب بیان کرتے ہیں تو یہی خلاصہ سامنے آتا ہے کہ اللہ کی نصرت واعانت کے عجیب وغریب واقعات میں سب سے بڑی چیز انابت الی اللہ اور صلاح وتقویٰ کی روح کارفرما تھی۔

یہ دنیا دارالاسباب ہے اور ایک قدرتی نظام کے تابع ہے، اس لئے فطری طور پر وسائل حیات اور اسبابِ کامیابی کا اختیار کرنا بھی لازم ہے، قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں اس پہلو کو بھی اہمیت دی گئی ہے مگر بنیاد بنا کر نہیں بلکہ وسائل وذرائع کی حد تک جسے صحابۂ کرام، سلف صالحین اور

خود رسول اکرم ﷺ نے ان وسائل کو حسب ضرورت استعمال فرمایا ہے۔

غزوۂ بدر وغزوۂ احد جیسے تمام غزوات میں ہم رسول اللہ ﷺ کے عمل کو دیکھیں کہ آپ نے ممکن حد تک جنگ کے تمام ضابطوں اور اس کے وسائل کو اختیار فرمایا، اس کے بعد معاملہ اللہ کے حوالہ کر کے اس کی نصرت پر بھروسہ کیا، اس کے بعد جو نتیجہ نکلا وہ اس درجہ حیرت انگیز تھا کہ آج تک دنیا اس کی کوئی عقلی توجیہ نہیں کر سکی کہ ایسا کیونکر ہوا کہ اپنے تمام تر وسائل کے باوجود کفار مکہ شکست کھا گئے اور غزوہ احد میں فتح صرف اس لئے شکست میں بدل گئی کہ وہاں رسول ﷺ کے ایک صریح حکم کی اجتہادی طور پر خلاف ورزی ہوئی۔

ذرا ان چند آیات پر غور کریں کہ حالات کو بدلنے میں اصل چیز کیا ہے اور ان آیات کا ہماری زندگی کی کامیابی وکامرانی میں کتنا اہم کردار ہے۔

☆ **وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرَى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ** (الاعراف:۹۶) اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

☆ **يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ** (سورہ محمد:۷)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔

☆ **وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُم**(الانفال:۴۶)

اور اللہ اور اس کی رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ** ۔ کہ تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان کو جب تک پکڑے رہو گے بھٹکو گے نہیں، ایک اللہ کی کتاب، دوم رسول کی سنت۔

یہ چند نمونے ہیں جو ہمارے لئے نسخۂ کیمیا ہیں، جن سے ہمارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک حالات کی تبدیلیوں کا مسئلہ ہے تو تغیرات کا پایا جانا اس دنیا کی فطرت ہے، انسانی زندگی میں عموماً اور ایک مسلمانوں کی زندگی میں خصوصاً اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں، انقلابات کی گردش

انھیں تہ وبالا کرتی رہتی ہے، کیونکہ یہ معاملہ نور وظلمت کی آویزش اور حق وباطل کی کشمکش کا ہے۔قوم مسلم اس نورِایمان کی حامل ہے جس کو بجھانے کی سازش وکوشش اولِ دن سے جاری ہے، اس لئے پوری اسلامی تاریخ میں کوئی صدی بھی ایسی نہیں گزری ہے کہ مسلمانوں کے تئیں ماحول کوخراب کرنے کی عالمی اور علاقائی طور پر کوششیں نہ کی گئی ہوں چنانچہ قرآن کریم ہمیں یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین کے بارے میں جگہ جگہ آگاہ کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَتُبْلَوُنَّ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا اللّٰهَ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔(سورہ آل عمران:۱۸۶)

ترجمہ: ایسا ضرور ہوگا کہ تمہارے مالوں میں اور تمہاری جانوں تمہاری آزمائش ہوگی، اور یہ بھی ضرور ہوگا کہ تم اگلی کتاب والوں اور مشرکوں کی طرف سے بہت بدگوئی سنوگے، اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری سے کام لو تو یہ ہمت کی بات ہے۔

یہاں بھی صبر اور تقویٰ کو ہمت کی بات کہا گیا ہے۔قرآن نے تدبیر کے طور پر یہ تاکید بھی ہے کہ اپنے فطری دشمنوں کے خلاف حسب توفیق تیاریاں بھی کرتے رہو، باقی اصل چیز تو ہماری نصرت واعانت ہے۔ارشاد ہے: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (الانفال:٦٠) اور (مسلمانو) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں ان سے مقابلے کے لئے تیار کرو، جن کے ذریعے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر ہیبت طاری کرسکو۔

مگر آج ہماری جو زندگی ہے اور ہمارے جو عمومی احوال ہیں وہ کچھ اس طرح کے ہیں کہ اسے دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہمارا کوئی خدا ہی نہیں ہے اور ہمارے لئے کوئی دستورِ حیات اور ضابطۂ زندگی ہے ہی نہیں، اسلامی غیرت وحمیت بالکل ختم ہوچکی ہے، دنیا کی محبت اور موت سے نفرت جسے حدیث میں ''وہن'' سے تعبیر کیا گیا ہمارے وجود میں پوری طرح سرایت کرچکی ہے۔ایسے احوال میں خدا کی مدد آئے تو کیونکر آئے؟ اگر آج ہم بھی انھیں قرون اولیٰ کے مسلمانوں جیسے اوصاف پیدا کرلیں تو کوئی وجہ نہیں کہ سرفرازی وسربلندی ہمارا مقدر نہ بنے اور سازشوں کے یہ تانے بانے تارِعنکبوت (مکڑی کے جالے) کی طرح بکھر نہ جائیں۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

انسان کو اپنے عیوب کا علم کیسے ہو؟

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ

حضرت الاستاذؒ نے یہ تحریر میری فرمائش پر ''مجلّہ المفتاح''، مئو کے پہلے شمارے کے لئے لکھی تھی اور اس میں شائع ہوئی تھی، اس وقت اس کے مدیر میرے مخلص دوست مولانا مفتی ذیشان احمد صاحب اعظمی تھے، انہی کی تحریک پر یہ فرمائش کی تھی، اشاعت کے بعد اس تحریر کا خیال ذہن سے نکل گیا اس لئے یہ کسی مجموعہ مضامین میں شامل نہ ہوسکی، ایک روز مجلّہ المفتاح کی ورق گردانی کے دوران یہ تحریر سامنے آئی تو خیال ہوا کہ اس اہم تحریر کو افادہ عام کے لئے اپنے رسالہ میں شائع کردوں، سب سے پہلے میں نے اسے عزیزم مولوی عرفات سلّمہٗ کو بھیج دیا جو حضرت الاستاذؒ کی نایاب وکمیاب مطبوعہ وغیر مطبوعہ تحریروں کو ''نگارشات اعجاز'' کے نام سے اکٹھا کررہے تھے، کہ وہ اس کو اس مجموعے میں اسے شامل کرلیں، چنانچہ انھوں نے اس میں شامل کرلیا اور اب اسے مجلّہ ''رشد وہدایت'' میں شائع کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ اسے مقبول ونافع بنائیں۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کا بھلا چاہتے ہیں تو اسے اس کا عیبِ نفس دکھا دیتے ہیں اور جس شخص کو کامل بصیرت حاصل ہوتی ہے، اس کی نگاہ سے اس کے عیوب مخفی نہیں رہتے۔ اور جب آدمی اپنی خرابیوں اور بیماریوں کو جان لیتا ہے تو اس کا علاج اس کے لیے ممکن ہوتا ہے۔ مگر بدقسمتی سے بیشتر افرادِ انسانی اپنے معایبِ نفس سے بے خبر ہیں۔ انھیں دوسروں کی آنکھوں کا تنکا تو نظر آجاتا ہے مگر اپنی آنکھوں کا شہتیر دکھائی نہیں دیتا۔

اگر واقعی کسی کا ارادہ یہ ہو کہ وہ اپنے نفس کے عیوب کو جان لے تو اس کے چار طریقے ہیں:

۱۔ کسی شیخِ کامل کی خدمت میں حاضری دے جو نفس کے آفات سے واقف ہو، پوشیدہ معایب کی پہچان رکھتا ہو۔ پھر وہ اپنے آپ کو کلیتاً اس کے حوالے کردے۔ اس کے احکام بلکہ اس اشاروں کی پابندی کرے اور جن جن مجاہدات کی وہ تلقین کرے، انھیں بجالائے۔ ایک مرید کا اپنے شیخ کے ساتھ اور ایک شاگرد کا اپنے استاذ کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے۔ وہ شیخ ومرشد اسے نفس کی خرابیوں سے آگاہ بھی کرے گا اور علاج کا طریقہ بھی بتائے گا۔

مگر ایسے شیخ کا حاصل ہونا بالخصوص ہمارے زمانے میں خاصا دشوار ہے۔

۲۔ کوئی سچا دین دار، صاحبِ بصیرت دوست مل جائے اور اسے اپنے اوپر نگراں بنالے، جو اس کے افعال و احوال کو ملاحظہ کرتا رہے اور اس کے ناپسندیدہ اور ناشائستہ اخلاق و افعال پر ٹوکتا رہے۔ یہ طریقۂ عمل بہت سے اکابر اور بہت سے عقلا نے اختیار کیا تھا۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ 'اللہ کی رحمت ہو اس شخص پر جو میرے عیوب کا ہدیہ مجھے بھیجے۔' یعنی ان سے مجھے مطلع کرے۔ چنانچہ وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اپنے عیوب کے متعلق دریافت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں آئے تو انھوں نے پوچھا کہ 'میرے اندر تمھیں کوئی ایسی بات معلوم ہے جو تمھیں ناپسند ہو؟' انھوں نے معذرت کی، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا۔ اس پر انھوں نے بتایا کہ 'مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک دسترخوان پر دو سالن اکٹھا کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پہننے کا رات کا جوڑا الگ ہے اور دن کا جوڑا الگ ہے۔' انھوں نے پوچھا کہ 'بس یہی یا کوئی اور بات؟' عرض کیا کہ 'بس یہی دونوں باتیں۔' فرمایا کہ 'ٹھیک ہے، اب ایسا نہ ہوگا۔'

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کرتے تھے کہ 'آپ کو رسول اللہ ﷺ منافقین کے سلسلے میں راز کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ میرے متعلق تو کوئی بات نفاق کی آپ کو معلوم نہیں ہے؟'

غور کیجیے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کس قدر جلیل القدر اور عالی مرتبہ صحابی ہیں لیکن اس کے باوجود اپنے نفس کو تہمت سے بری نہیں سمجھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو جس قدر وافر عقل اور عالی رتبہ کا حامل ہوگا اتنا ہی اپنے نفس سے غیر مطمئن رہتا ہے۔

لیکن ہمارے دور میں ایسے دوستوں کا ملنا بھی مشکل ہی ہے۔ بہت کم احباب ایسے ملیں گے جو مداہنت سے کام نہ لیتے ہوں اور اپنے تعلق والوں کو عیبوں سے مطلع کرتے ہوں یا حسد میں مبتلا نہ ہوں اور قدرِ واجب سے زیادہ عیبوں کو بڑھا چڑھا کر نہ پیش کرتے ہوں۔ اب دوست دو ہی طرح کے عموماً ملتے ہیں: یا تو حاسد یا صاحبِ غرض ہوتے ہیں جو ہنر کو بھی عیب سمجھ لیتے ہیں۔ مداہنت کرتے ہیں جو عیبوں کو بھی چھپا لیتے ہیں۔

اسی لیے حضرت داؤد طائی علیہ الرحمہ لوگوں سے الگ تھلگ رہا کرتے تھے۔ ان سے پوچھا

گیا کہ 'آپ لوگوں سے ملتے جلتے کیوں نہیں؟' فرمایا کہ 'میں ایسے لوگوں سے تعلق رکھ کر کیا کروں گا جو مجھ سے میرے عیبوں کو چھپائے رکھتے ہیں۔'

اس سے معلوم ہوا کہ جو واقعی دین دار اور اہلِ تقوی ہیں، وہ دل سے چاہتے ہیں کہ ان کے عیبوں کی خبر دوسروں کے واسطے سے ملتی رہے۔لیکن ہمارا حال یہ ہوگیا ہے کہ اگر ہم کو کوئی نصیحت کرے اور ہمارے عیبوں پر متنبہ کرے تو اس سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی شخص نہیں۔

اور سچ پوچھیے تو اس سے آدمی کے ضعفِ ایمان کا پتا چلتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ برے اعمال واخلاق ڈس کھانے والے سانپ اور بچھو ہیں۔اگر کوئی شخص ہمیں خبر دے کہ ہمارے کپڑے میں بچھو گھس گیا ہے تو ہم اس کے ممنون کرم ہوتے ہیں، خوشی محسوس کرتے ہیں اور فوراً اس بچھو کو مارنے بھگانے کے درپے ہوجاتے ہیں، حالاں کہ اس کی ایذارسانی کا تعلق صرف جسم سے ہے۔جسم کی تکلیف ایک دن رہے گی یا اس سے بھی کم، اس کے برخلاف اخلاقِ رذیلہ کی تکلیف براہِ راست قلب کی گہرائیوں میں ہوگی۔اور ممکن ہے کہ وہ موت کے بعد ہمیشہ باقی رہے یا ہزاروں سال تک قایم رہے۔لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ جو آدمی ہمارے اخلاقِ رذیلہ سے ہم کو خبردار کرتا ہے، ہم نہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور نہ اس کے ازالہ کی فکر کرتے ہیں، بلکہ الٹا ہم اس سے یہ کہنے لگتے ہیں کہ 'چلو چلو! تم بھی تو ایسا ایسا کرتے ہو' اور اتنا ہی نہیں، اس سے آگے بڑھ کر ہم اس سے دشمنی ٹھان لیتے ہیں اور اس کی نصیحت کے فواید سے خود کو محروم کرلیتے ہیں۔ہمارا یہ حال غالباً اس وجہ سے ہے کہ ہمارے دلوں میں قساوت پیدا ہوگئی ہے جو نتیجہ ہوتی ہے کثرت معاصی کا۔اور ان سب کی بنیاد ایمان کا ضعف ہے۔ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہدایت کے طریقے ہمیں الہام فرمائے، ہمارے عیبوں پر ہمیں بصیرت عطا فرمائے اور ہمیں اس کے علاج کی توفیق بخشے۔اور جو ہمیں ہمارے عیبوں سے مطلع کرے، اس کا احسان مند ہونے اور شکریہ ادا کرنے کی توفیق سے نوازے بمنه و فضله.

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے نفس کے عیوب کو اپنے دشمنوں اور حاسدوں کی زبان سے معلوم کرے۔کیوں کہ ناراضگی کی نگاہ ہر عیب کو ظاہر کردیتی ہے۔اور ایسا ہونا عین ممکن ہے کہ اپنے دشمن سے جو اس کے عیبوں کا تذکرہ کرتا پھرتا ہے، آدمی زیادہ فایدہ اٹھالے، بہ نسبت کسی ایسے دوست کے جو مداہنت کرتا ہو، اس کی مدح وثنا کرتا ہو اور اس کے عیبوں کو چھپاتا ہو۔

لیکن دشمن کی عیب جوئی سے فایدہ اٹھانا ایک مشکل امر ہے۔کیوں کہ فطرتِ انسانی کچھ اس

طرح کی واقع ہوئی ہے کہ دشمن کی بات کورد کرنا اوراس کو حسد پر محمول کرنا اس کا شیوہ ہے۔مگر صاحبِ بصیرت آدمی دشمنوں کی عیب جوئی سے بھی فایدہ اٹھالیتا ہے۔کیوں کہ برائیوں کا چرچا دشمنوں کی زبان پر ہوتا ہی ہے۔اس سے انھیں اپنے عیبوں کا پتا چل جاتا ہے۔

۴۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان رہے،ان سے ملتا جلتا رہے اور جس بات کو لوگوں کے درمیان مذموم اور بری محسوس کرے،اس کو اپنے اندر بغور ملاحظہ کرے۔کیوں کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہوتا ہے۔یعنی وہ دوسروں کے عیبوں کے آئینے میں اپنے عیوب کو دیکھ لیتا ہے۔وہ خوب سمجھتا ہے کہ خواہشات کی پیروی میں انسانی طبیعت میں اشتراک اور یکسانیت ہے۔تو جس بلا میں ایک شخص مبتلا ہے،دوسرا بھی اس میں کم یا زیادہ ضرور مبتلا ہوگا۔اسے چاہیے کہ اپنے نفس کی ٹوہ میں لگا رہے اور جس چیز کو دوسروں میں وہ عیب سمجھتا ہے،اس سے خود کو پاک کرنے کی کوشش کرے۔یہ طریقہ تادیب بہت مفید ہے۔اگر ہر شخص اس کا التزام کرلے کہ دوسروں کے ناپسندیدہ اوصاف وخصایل کو اپنے سے جدا رکھے گا تو پھر کسی شیخ ومرشد کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ 'آپ نے ادب کس سے سیکھا؟' فرمایا کہ 'کسی سے نہیں۔میں نے جاہل کی جہالت کو عیب کی چیز دیکھا تو میں نے اس سے اجتناب کیا'

چوتھا طریقہ اس شخص کے لیے ہے،جس کو کوئی دیدہ ور اور ناصح ومشفق شیخ جو اپنی تہذیب سے فارغ ہو چکا ہو،اور دوسروں کے نفوس کی تعلیم وتربیت میں مشغول ہو،نہ ملا ہو۔اور اگر کسی کو ایسا شخص مل جائے تو گویا اسے طبیب مل گیا۔اس کے ساتھ لگا لپٹا رہے۔وہ اسے امراض باطنی اور ہلاکتوں سے بچالے گا۔(احیاء العلوم ج۳ص۶۴)

❑❑❑

ایک فکر انگیز تحریر

خدافراموشی اور خودفراموشی

مولاناعبدالماجدصاحب دریابادی علیہ الرحمہ

آپ انگریزی تعلیم یافتہ ہیں اور ریل کے کسی اونچے درجہ میں سفر کررہے ہیں تو اس وقت آپ کے اور آپ کے دوسرے ساتھیوں کے ہاتھ میں انگریزی اخبارات کا ہونا لازمی ہے یہ اخبارات کون سے ہوتے ہیں؟ یہی پانیر، اسٹیٹسمین، ٹائمس آف انڈیا، ہندوستان ٹائمس، لیڈر، بمبئی کرانیکل ہیں یا کوئی اور؟ ان اخبارات میں سے کوئی مسلمانوں کا بھی اخبار ہے؟ کوئی واقعاتِ عالم کو مسلمان کے نقطۂ نظر سے بھی دیکھتا ہے؟ کوئی آپ کی نمائندگی کرتا ہے؟ رپورٹر ہو یا ایسوسی ایٹیڈ پریس، فری پریس ہو یا کوئی اور، کوئی بھی ہوا یجنسی آپ کے ہاتھ میں ہے؟ بہر حال خبریں ہوں یا واقعات جو آواز بھی آپ کے کانوں تک پہنچتی ہے سب غیروں ہی کی پہنچائی ہوئی ہوتی ہے۔

انگریزی کو چھوڑیئے آپ کہہ سکتے ہیں کہ انگریزی میں مجبوری یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی اخبار ہی کہنا چاہیے کہ موجود نہیں۔ اردو لیجیے، اردو میں تو آپ اپنے اخبارات کے وجود کی نفی نہیں کرسکتے ا،س پر بھی آپ کا عمل کیا ہے؟ جب چاہے ریل کا ذرا طویل سفر کرکے تجربہ کرلیجیے، ''ملاپ'' اور ''پرتاپ'' اور ''تیج'' کثرت سے آپ مسلمانوں کے ہاتھوں میں دیکھیں گے، آخر آپ کے روزنامے بھی تو لکھنؤ، دہلی، لاہور اور بمبئی سے نکل رہے ہیں، لیکن آپ کو انھیں چھوڑ کر بیگانہ نوازی کرتے ذرا غیرت نہیں آتی، آپ کے یہ پرچے بھلے نہ سہی برے، اور اعلی نہ سہی ادنی سہی، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں جن کی سرپرستی کرکے آپ اغیار نوازی فرما رہے ہیں؟ لاکھ نادان سہی کیا تجھ سے بھی نادان ہوں گے، بیگانوں سے نفرت وبیزاری آپ یقیناً نہ برتئے، لیکن آخر اپنوں کو چھوڑ کر بیگانوں کو نوازنا، اپنی آنکھ، کان، دل، دماغ کو اغیار کے اثرات وروایات کا تابع کردینا کسی آئینِ دانش وقانونِ خودداری کے مطابق ہے؟

اخبارات کا نام محض بطور مثال لے دیا گیا ہے، زندگی کا کون سا شعبہ ہے جس میں آپ دوسروں کے دستِ نگر نہیں؟ جس میں آپ نے اپنی خودداری مٹا کر دوسروں کو اپنے اوپر حاکم ومختار نہیں

بنالیا؟ جس میں آپ رفتہ رفتہ خود اپنے سے بیگانہ ہوکر نہیں رہ گئے ہیں؟ خیالات کی رو یہاں تک پہنچی تھی کہ ایک عارف کی زبان سے کلامِ پاک کی یہ آیت سننے میں آئی: **وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ** (سورہ حشر:۱۹) اے ایمان والو! کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنھوں نے پہلے اللہ کو بھلایا پس اللہ نے انھیں ایسا مسخ کر دیا کہ وہ خود اپنے کو بھی بھول گئے۔ یہ سارا نظارہ اگر **فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ** اپنے آپ کو بھول بیٹھے کی عملی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟ اور یہ سزا لازمی نتیجہ ہے **نَسُوا اللّٰهَ**، اللہ کو بھول جانے کا۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۱۴ کا)

اللہ کی بارگاہ میں یہ سنگین جرم ہے، یہ متعدی ضرر رکھنے والا عمل ہے، یہ باطل کا تعاون ہے، یہ خیر کے مشن کو کمزور کرنا اور شر کے مشن کو مضبوط کرنا ہے، اور حدیث نبوی کے بموجب ایسا کرنیوالے **شر من تحت ادیم السماء** آسمان کے نیچے بسنے والے سب سے بدتر لوگ ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اصحاب عیسیٰ کا کردار بیان کیا ہے کہ حق کی خاطر انہیں آروں سے چیرا گیا اور دار ورسن کی آزمائشوں سے بھی گزارا گیا مگر ان کے پائے ثبات میں لرزش نہیں ہوئی۔

یہی کردار امت محمدیہ کے علما وصلحا کو ادا کرنا ہے، ہماری ماضی کی تاریخ، دور صحابہ سے آج تک، ایسے روشن کرداروں سے لبریز ہے۔

آج بھی دنیا کے اور بطور خاص عالم عرب کے حالات ہر صاحب فکر ونظر مسلمان کے لئے واضح امتحان اور جانچ کے حالات ہیں کہ:

کون ہے وہ بدنصیب جو درہم و دینار کا بندہ بن کر اپنے مقام اور خودی کو گم کر دیتا ہے اور باطل کا معاون بن جاتا ہے؟ کون ہے وہ جو اظہار حق کے طالب حالات میں اپنے لبوں پر مفاد پرستانہ مہر سکوت لگا کر حق کو مشتبہ اور کمزور کر دیتا ہے؟ اور کون ہے وہ سعید و قابل رشک جو ارشاد نبوی اللہ کی اطاعت میں جان دے دینا معصیت کی زندگی سے بدر جہا بہتر ہے کو پیش نظر رکھ کر بغیر کسی لاگ ولپیٹ کے اپنا فرض سمجھ کر پوری دیانت، اخلاص اور جذبۂ نصح کے ساتھ منکر پر نکیر کرتا ہے، اور اس نکیر کی زد خود اس پر پڑے یا ارباب اقتدار پر، اس کی پرواہ نہیں کرتا ہے، اللہ کے دربار میں قدر ایسے سعید افراد ہی کی ہے، کاش: امت میں ایسے افراد کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جائے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاصر حالات اور اہل علم وفکر کا فرض منصبی

مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی
شیخ الحدیث ومہتمم مدرسہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

ارشادات نبوی میں امت محمدیہ کو خطاب کر کے یہ پیش گوئی اور ہدایت فرمائی گئی ہے کہ:

اسلام کی چکی ہر حال میں گردش میں رہے گی، اس لئے تم کتاب اللہ کی اتباع کرتے رہو، اسے اپنی خواہشات کے تابع مت کرو، سنو: عنقریب قرآن اور حکمراں الگ الگ ہو جائیں گے، تم ہرگز قرآن نہ چھوڑنا، عنقریب تم پر ایسے حکمراں مسلط ہوں گے جو اپنے لئے وہ طے کریں گے جو دوسروں کے لئے نہیں کریں گے، تم ان کی نافرمانی کروگے تو تمہیں قتل کردیں گے، تم ان کی اطاعت کروگے تو تمہیں گمراہ کردیں گے۔

یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ایسے حالات میں ہمیں کیا کردار اپنانا چاہئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

تم وہی طرز عمل اختیار کرو جو حضرت عیسی علیہ السلام کے اصحاب نے اختیار کیا، انھیں آروں سے چیرا گیا، سولی پر لٹکایا گیا، مگر وہ دین پر قائم رہے، یاد رکھو: اللہ کی اطاعت میں جان دے دینا معصیت کی زندگی سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ (**المعجم الصغیر للطبرانی: عن معاذ بن جبل**)

اس چشم کشا اور بصیرت افروز ارشاد نبوی کے آئینے میں آج اگر عالم اسلام اور بطور خاص عالم عرب کی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو اس پیش گوئی کی حقانیت اور اس کے وقوع پر یقین بڑھتا چلا جاتا ہے، ایک طویل عرصے سے عالم عربی مفاد پرست اور تعیش پسند اربابِ اقتدار کے ہاتھوں میں ہے، اور دکھاوے کے چند مذہبی مظاہر کی تشہیر کے سوا ان کی حکومتوں کا پورا نظام، ان کی خارجہ پالیسی، داخلی سسٹم، معاشرتی طور طریق اور معاملات کے تمام شعبے اس باطل نظام کے مکمل تابع ہیں جس کا شریعت حقہ، عدل واعتدال، خیر خواہی اور نافعیت سے دور دور تک کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اس پر مستزاد ان کی بدکرداری، عیش کوشی، مفاد پرستی، بے حسی، بے شعوری اور جبن و بزدلی کے اوصاف ہیں جو ان کے ہر ہر رگ و پے میں مکمل طور پر پیوست ہو چکے ہیں۔

ایک طرف صورت حال یہ ہے کہ:

اپنے حقیر مفادات کے لئے اپنے مغربی آقاؤں کو خوش رکھنے کی خاطر عالم عرب باہم دست وگریباں ہے، قطر اور دیگر عرب ممالک کے حالات سب کے سامنے ہیں۔

شام ایک طویل مدت سے لہولہو ہے، لاکھوں مسلمان جام شہادت نوش کر چکے ہیں، ہر آنے والا دن تباہی کی خوں چکاں داستان لیکر آتا ہے، فاقہ کشی کی نوبت آچکی ہے، وہاں کی بدعقیدہ حکومت اپنے مغربی آقاؤں کی سرپرستی میں حیوانیت کے یہ نمونے پیش کر رہی ہے۔

فلسطین میں اسرائیل کے ظلم و بربریت نے قیامت ڈھا رکھی ہے اور اس کے ستم سے خواتین و معصوم بچے تک محفوظ نہیں ہیں۔

ایک طرف یہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف عالم عرب کے قائدین کا عالم یہ ہے کہ ان کی طرف سے بجائے مظلوموں کی حمایت اور ظالموں سے مقابلے کے، ظالموں کی حمایت اور ان کی حوصلہ افزائی کے اقدامات سامنے آرہے ہیں، مصر کے حالات دنیا کے سامنے ہیں، اخوانیوں کی دستوری حکومت کے خاتمے اور پھر ان کو ناجائز طور پر مجرم قرار دیئے جانے کے ہر ظالمانہ عمل میں عالم عربی کی قیادت پورے طور حصہ دار بنی اور اس نے اپنے ہاتھ مظلوموں کے خون سے رنگین کئے۔

مصدقہ رپورٹوں سے یقینی طور پر یہ بھی ظاہر ہو چکا کہ شام کے ہنگاموں میں بدعقیدہ و ظالم حکومت کو مالی و غیر مالی امداد فراہم کرنے اور اس طرح مظلوم اہل السنۃ اور اہل حق کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے اقدامات میں عالم عربی کی قیادت نے نمایاں کردار ادا کیا۔

فلسطین کے مسئلے میں بھی عرب قیادت زبانی جمع خرچ کے مرحلے سے آگے نہیں بڑھتی، مظلوم فلسطینیوں کی حمایت اور ظالم اسرائیل کے مقابلے کی سمت میں کوئی ایک بھی ٹھوس، عملی اور موثر اقدام اب تک سامنے نہیں آیا ہے۔

اس طرح عرب قیادت صریح طور پر مسلمانوں کے ملی و اجتماعی معاملات میں بے حسی اور خاموشی، بلکہ اسلام دشمن طاقتوں کی منشا اور کاز کو مدد پہونچانے اور اسلام کو نقصان پہونچانے کی مجرم ثابت ہو رہی ہے، اقبال کی زبان میں حرم کے یہ نگہ بان اپنے فرض نگہبانی کی ادائیگی کے بجائے بت

خانے کی پاسبانی کررہے ہیں، ان کا یقین مردہ و مضمحل اور ان کی نگاہ مستعار ورہینِ منتِ اغیار ہے ۔

نگہ بانِ حرم معمارِ دیر است   یقینش مردہ و چشمش بغیر است

اس سب کے ساتھ تعیش و تنعم کی وہ لعنت ہے جس نے عرب قائدین کو پورے طور پر اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، زنا اور فحاشی، رقص وسرود، لہو ولعب اور ان جیسے نہ جانے کتنے منکرات ہیں جن کی خبریں ہر صاحب ایمان کو افسردہ و بے چین کردینے کے لئے کافی ہیں۔

مزید باعث افسوس چیز درباری اور مفاد پرست علما وارباب افتا کا ٹولہ ہے جو اپنی حکمراں جماعت وقیادت کی کاسہ لیسی میں بے حمیتی کے اس مرحلے میں آچکا ہے کہ اس کے لئے حق وباطل میں تلبیس، حکومتوں کی ہر روا و ناروا میں تائید، غلط اقدامات کے لئے شرعی دلائل کی فراہمی بالکل آسان بات ہوگئی ہے، خواہ اس کے لئے کتنی ہی رکیک تاویل بلکہ تحریف تک کیوں نہ کرنی پڑ جائے۔

ایسے ہوش ربا حالات میں کچھ مخلص اہل علم وفکر اپنی ذمہ داری اور فرض دیانت کے ساتھ نبھا رہے ہیں، لیکن ان کے سامنے وہی نقشہ ہے جو مذکورہ حدیث میں آیا ہے کہ ان پر حکومت کرنے والا طبقہ اور ان کی اصل رہنما کتاب قرآن دونوں میں بہت بُعد ہوچکا ہے، ارباب اقتدار قرآن کو بالکل چھوڑ چکے ہیں، اہل حق ان کے اس موقف پر علانیہ نقد کریں تو بغاوت کے جرم میں ہر سزا کے مستحق ٹھریں اور اپنے تحفظ کے لئے کچھ مصلحت کوش بنیں تو دین خطرہ میں پڑ جائے اور خود گمراہی کی وادی میں جا پڑیں۔

یہ حالات بڑی کش مکش اور امتحان کے ہیں، ہر خوددار صاحب علم گویا ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہے جس کا ایک راستہ بے دینی کی منزل پر اور دوسرا بے انتہا مشقت، مجاہدوں، قربانیوں اور خطرات کی طرف لے جاتا ہے، ایسے حالات میں ہماری رہنمائی کے لئے مذکورہ ارشاد نبوی سے بڑھ کر اور کوئی چیز کیا ہوسکتی ہے جس میں صاف پیغام دیا جارہا ہے کہ:

اے دین حق اور علوم کتاب وسنت کے حاملین: آپ کے ذمے احقاقِ حق، ابطال باطل، اور انکار منکر کا عظیم الشان فرض سونپا گیا ہے، اگر آپ نے اس فرض کی ادائیگی میں مداہنت سے کام لیا، اگر آپ نے اپنے ذاتی مفاد اور وقتی مصالح پیش نظر رکھے، اگر آپ نے سب کو خوش رکھنے، اور صلح کل بننے کی پالیسی اختیار کئے رکھی، اگر آپ نے حق کے اظہار میں سکوت وغفلت برتی، اگر آپ کی مصلحت پسندی کی وجہ سے امت کے عوام کے طبقے میں حق مشتبہ ہوگیا تو یاد رکھیئے: (بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نزدیک دنیا کی حقیقت

حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی استاذ مدرسہ ہٰذا

عَنْ سهل بن سعد رضي الله عنه قال: قال رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقىٰ كافراً منها شربة ماء. [ترمذي، باب ماجاء في هوان الدنيا عندالله]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔

تشریح وتوضیح:

آج انسان جس دنیا کے حصول کیلئے رات دن تگ ودو کرتا ہے اور دنیا پرستی کے چکر میں پڑ کر خدا پرستی کو بھول بیٹھا ہے، اس بے وفا دنیا کی حقیقت سے اللہ کے رسول ﷺ نے بندگان خدا کو آ گاہ فرمایا ہے اور اللہ رب العزت کے نزدیک دنیا کی ناقدری کو مچھر کے پَر سے بھی زیادہ حقیر بتایا ہے۔

مچھر اللہ کی مخلوق میں انتہائی حقیر و کمزور اور ناپسندیدہ شمار ہوتا ہے، ہم جب کسی کو انتہائی ذلیل وحقیر اور کمزور ثابت کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس کو تو مچھر کی طرح مَسَل کر رکھ دوں گا، اس مچھر کے بچے کی یہ مجال کہ مجھ سے ٹکرائے، وغیرہ جیسی مثالیں ہم بولتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں، مچھر کو کسی بھی دور میں کوئی حیثیت حاصل نہیں رہی، لہٰذا عرب کے لوگ بھی مچھر، پسو کو حقیر جانتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مکھی وغیرہ کا ذکر فرمایا تو کفار مکہ ومشرکین عرب نے بطور استہزا کہنا شروع کیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَايَسْتَحْيِيْ أَن يَّضْرِبَ مَثَلاً مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ، وَأَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلاً، يُضِلُّ بِهِ كَثِيْراً وَّيَهْدِيْ بِهِ كَثِيْراً وَمَايُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾ [سورہ بقرہ،۲۶]

اللہ کو اس بات سے کوئی شرم وعار نہیں کہ وہ (مومن وکافر کی حالت اور فرق بتانے کے

لیے) پسو یا اس سے بھی حقیر چیز کی مثال دیں، بہرحال جو ایمان والے ہیں تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی جانب سے حق ہے اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ مثال (مکھی یا مچھر کی) دے کر کیا چاہتے ہیں، (تو سنو) اس کے ذریعہ اللہ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور اس سے تو فاسق لوگ ہی گمراہ ہوتے ہیں۔

دنیا مچھر سے بھی حقیر چیز ہے، جب ہمارے نزدیک مچھر کی کوئی قیمت واہمیت ہی نہیں ہے تو اسی طرح دنیا کی اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت ہی نہیں، اور اگر ہوتی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس صورت میں کسی کافر کو اس دنیا سے ایک گھونٹ پانی پینے کی اجازت نہ ہوتی۔

کفر کتنا عظیم جرم ہے!:

اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک تمام جرائم ومعاصی میں سب سے زیادہ مبغوض جرم کفر وشرک ہے۔ اور قرآن مجید میں اس بات کو بتایا گیا ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُّشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ﴾ کہ اللہ کسی بھی حال میں اس جرم کو معاف نہیں کریں گے کہ اس کے ساتھ ذات وصفات میں کسی کو شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ ہر گناہ کو معاف کر دیں گے۔

اس کی دو صورتیں ہوں گی: ایک تو یہ ہوسکتی ہے کہ شروع ہی میں تمام گناہ معاف کر دیں اور اپنے فضل سے جنت میں داخل فرما دیں گے، اس قسم کی بخشش کا ذکر احادیث میں بہت سے مواقع پر آیا ہے۔ دوسرے یہ کہ بندہ مومن کے گناہ کی وجہ سے ایک خاص مدت تک کے لیے جہنم میں داخل کر دیں پھر ایک وقت آئے گا کہ ہر اس شخص کو جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچا دیا جائے گا اور اس آخری درجہ کے جنتی کو جو حصہ جنت میں ملے گا وہ ہماری اس دنیا سے کم از کم دس گنا زیادہ ہوگا، جیسا کہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

دنیا پرستی وبالِ جان:

اللہ کے رسول ﷺ نے متعدد احادیث میں دنیا پرستی کی مذمت بیان کی ہے، بہت بلیغ انداز میں دنیا کی لذات سے دور رہنے اور اس کی حرص وہوس سے دل کو خالی رکھنے کا حکم دیا ہے؛ کیوں کہ ایک مومن کی زندگی کا اصل مقصد آخرت کے ابدی گھر کی تیاری کرنا ہے، دنیا کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ وہ عمل کرنے کی جگہ ہے، جس طرح کوئی آدمی کسی فیکٹری میں کام کر کے اجرت لے کر واپس چلا آتا ہے، فیکٹری پر اس کی نگاہ نہیں ہوتی، نہ اس کی حرص دل میں پیدا ہوتی ہے، بلکہ اصل فکر زیادہ سے

زیادہ کام کر کے اپنی اجرت میں اضافہ کرنے کی چاہت ہوتی ہے؛ تا کہ ایک پُرسکون خوش حال زندگی بسر کر سکے، جس دن اس کے دل میں اپنے مالک کی فیکٹری اور کارخانے کو حاصل کرنے کی ہوس جاگ جائے گی، اسی دن اس کی ملازمت ختم اور ذلت گلے پڑ جائے گی۔

بالکل یہی معاملہ دنیا کا ہے، اللہ نے اپنے بندوں کو عمل کرنے کے لیے پیدا کیا، اس کے لیے ایک جگہ دنیا کے نام سے بنائی؛ تا کہ اس کارگہِ عالم میں انسان آ کر اپنے رب کو راضی کرنے والا عمل کر کے آخرت کے باقی رہنے والے گھر حق دار بن جائے اور وہاں جنت میں ہمیشہ ہمیش کی راحت نصیب ہو۔ یا دوسری صورت میں اللہ کو ناراض کرنے والی زندگی گزارے، دنیا طلبی، دولت پرستی، جاہ ومنصب کی خواہش، سرکشی، نافرمانی اور شیطان کی پیروی میں پڑا رہے اور آخرت کے حساب وکتاب سے غافل ہو جائے تو پھر آخرت میں جہنم کا دائمی عذاب بھگتنے کو تیار رہے۔

اللہ تعالیٰ ہم بندوں پر کتنے رحیم وکریم ہیں کہ ہم کو دنیا کی حقیقت سے بار بار آگاہ فرمایا اور دنیا پرستی سے باز رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ کہیں فرمایا:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾[آل عمران:۱۸۵]

اور دنیوی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے۔

اور کہیں فرمایا: ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ﴾[عنکبوت]

اور دنیاوی زندگی صرف کھیل اور تماشا ہے۔

اور کہیں فرمایا: ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى﴾[اعلیٰ]

بلکہ تم دنیاوی زندگی پر ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت (کی زندگی) زیادہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

ایسی بہت سی آیات ہم کو دنیا پرستی کے جال سے نکالنے کے لیے کافی ہیں۔

اور خود زبان رسالت سے اس حدیث کے علاوہ بہت سی احادیث میں دنیا کو ایک مایا جال اور مومن کے لیے قید خانہ سے تعبیر کیا گیا ہے، مسلم شریف کی حدیث ہے، جو اکثر مساجد میں بھی لکھی ملتی ہے:

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ. [رواه مسلم والترمذی]

کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا:

كن في الدُّنيَا كَأَنَّکَ غَرِيبٌ أَوعَابِرُ سَبِيلٍ. [رواه البخاری والترمذی]

کہ تم دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی مسافر یا راہ گزر رہتا ہے۔

دنیا پرستی سے بچنا مقبولیت کی علامت ہے:

حضرت قتادہ مشہور صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کو اپنے جس بندے سے محبت ہوتی ہے تو اس کو دنیا داری سے ایسے بچاتا ہے، جس طرح تم اپنے (بخار زدہ) مریض کو پانی سے بچانے لگتے ہو''۔[ترمذی]

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام ؓ کو دنیا کی محبت میں گرفتار ہونے سے بچایا تھا، وہ دنیا کو محض ایک دارالعمل مان کر دنیاوی زندگی گزارتے تھے اور دنیا کے تمام اسباب وآلات اور وسائل سے استفادہ محض آخرت کی تیاری کرتے، دنیا نے کبھی بھی ان کے دلوں پر قبضہ نہیں جمایا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

''اے دنیا! تو ہم کو رجھاتی ہے، لبھاتی ہے، جا میں نے تم کو تین طلاق دے دی''۔

صحابہ کرام ؓ وہ برگزیدہ بندے ہیں جنھوں نے راحت ونعمت اور عہدہ ومنصب کو ٹھوکر مار کر رسول خدا کا دامن تھاما تھا، اپنی آخرت سنوارنے کے لیے اپنا گھر بار سب چھوڑ کر ہجرت کی تھی، فاقہ کشی اور کس مپرسی کی حالت میں دین پر ثابت قدم رہے، ہفتوں ہوجاتا تھا کہ گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا، اس حال میں راہ خدا میں جہاد کیا کہ کھانے کو کچھ نہ ملا، ایک ایک کھجور دن بھر میں کھا کر دین کی اشاعت وحفاظت اور دشمنان خدا کی سرکوبی میں حصہ لیا۔حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی بھوک کی شدت کی وجہ سے میں بے ہوش ہوجاتا تھا تو لوگ سمجھتے تھے کہ مرگی کا مرض ہے، اس کا علاج کرنے لگتے تھے، اور وہی فرماتے ہیں کہ آج خوش حالی اور مال داری کا یہ حال ہے کہ ابوہریرہ کتان کے ٹکڑے سے اپنی ناک صاف کرتا ہے۔

ان نفوس قدسیہ کے قدموں پر دنیا ناک رگڑ کر آتی تھی اور یہ ٹھوکروں سے ہٹادیتے تھے، اسلامی فتوحات کا مال غنیمت، غلے کے ڈھیر کے مانند مسجد نبوی میں پڑا رہتا تھا اور صحابہ کرام ؓ اس سے اس طرح بچ نکلتے تھے جیسے سانپ بچھو ہے۔ایک دو نہیں، سیکڑوں واقعات ہیں دنیا بیزاری کے۔

دنیا بیزاری کا مطلب کیا ہے؟:

دنیا سے دور رہنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم مال ودولت کمانے، تجارت کرنے اور اللہ

کی حلال کردہ لذات سے نفع اٹھانے سے بچیں، دنیا بیزاری کا تعلق دل سے ہے، ہماری نگاہ کا مرکز آخرت کی اصل زندگی بن جائے تو پھر وہی حال ہوگا جو ہمارے اسلاف اور صحابہ کرام کا تھا، نہ دنیا کی دولت آنے کی خوشی، نہ جانے کا غم۔ وہی صحابہ کرام ہیں کہ غربت ومسکنت میں ایمان پر ثابت قدم رہے اور جب دولت کی فراوانی ہوئی تو آج کے ارب پتیوں سے کم نہیں، بلکہ زیادہ ہی تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی دولت کا اندازہ صرف اس بات سے لگائیے کہ ان کی وفات پر جب ان کے ترکہ میں سے صرف سونا جب آٹھویں حصہ کے طور پر، ان کی چار بیویوں میں برابر برابر تقسیم کیا گیا تو ہر بیوی کے حصے میں ۸۰ر ہزار سونے کے دینار آئے، زمین جائداد کا حصہ اس کے علاوہ رہا ہوگا۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات پر جب ان کی جائداد کا حساب لگایا گیا تو بڑے بڑے تین عدد بیل کی کھال میں صرف سونا بھرا ہوا تھا، جو کئی ٹن تھا، آج کل کی ایک چھوٹی حکومت سے بھی زیادہ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تجارت کا حال یہ تھا کہ عرب وشام اور بحرین میں ان کے ایک ہزار غلام کام کررہے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنی دولت کی کثرت سے ہی غنی کہلاتے تھے؛ لیکن ان میں سے کسی پر دنیا کی محبت غالب نہیں تھی، اسی کا نام ہے دنیا بیزاری۔

مسلمانوں کی تباہی کا سبب، مال:

اللہ کے رسول ﷺ نے مال ودولت کو مسلمانوں کے لیے آزمائش فرمایا ہے:

لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَفِتْنَةُ أُمَّتِي اَلْمَالُ. [ترمذي:۲۳۳۶]

ہر امت کے لیے ایک آزمائش کی چیز رہی ہے اور میری امت کو مال میں آزمایا جائے گا۔

اس حدیث کو صحابہ کرام نے دل کی گہرائی سے سمجھا تھا، لہٰذا مال کے فتنے میں اپنے کو مبتلا کرنے سے بچنے پر پوری توجہ دی، اس کی یہی صورت ہوسکتی تھی کہ فکر آخرت کو زندگی کا لائحہ عمل بنالیا جائے۔ اس کے برعکس عہد حاضر کے مسلمانوں نے یورپ کی مادہ پرست ذہنیت کو ترقی کا ذریعہ سمجھ لیا اور مادی ترقی کی راہ چلتے ہوئے راہ آخرت سے دور ہوتے گئے، آج صورت حال یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کو بھی دنیاوی نقطہ نظر سے مفید یا غیر مفید دیکھا جاتا ہے، اسلامی نظام زندگی کو مغرب کے

اختیار کردہ نظام زندگی کے پُر فریب نظریے کے تحت ڈھالنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے، عوام تو عوام ہیں؛ طبقۂ اہل علم پر بھی دنیا کا جادو چل رہا ہے۔

اللہ کے حبیب ومحبوب ﷺ نے جس فتنے کی بات فرمائی ہے، امت مسلمہ تقریباً گلے گلے تک اسی فتنے کی دلدل میں دھنسی ہوئی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دین بیزاری عام ہے، دولت کی حرص اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ دولت کی طلب اور مال کی تلاش میں حلال وحرام کی تمیز اٹھتی جا رہی ہے، محتاط اور پرہیز گار افراد عنقا ہوتے جا رہے ہیں، علماء طبقہ میں ایسے افراد بھی کم نہیں جو سرکاری ملازمت کے لیے لمبی لمبی رقمیں رشوت میں دینا اور بھاری بھرکم سرکاری تنخواہ بے شرمی سے وصول کرنا فخر سمجھتے ہیں، لاکھوں کی تعداد میں صرف اس لیے سرکار سے منظور شدہ بورڈ کا امتحان دیا جاتا ہے کہ مستقبل سنور جائے گا، اس کی وجہ سے علوم دینیہ کی تعلیم بھی ایک تجارت کی شکل اختیار کر رہی ہے، پھر مسلمانوں کے کاروبار اور تجارت ومعیشت کے بارے میں کچھ کہنا ہی بے کار ہو گیا ہے، وہ جس انداز کی ہے اس کا حال ہم سب جانتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

کھلا دَر

احمد بن ابی غالب چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں، لوگ ان کے پاس دعا کے لئے عموماً حاضر ہوتے تھے، ایک مرتبہ کوئی صاحب ان کی خدمت میں آئے اور کسی چیز کے متعلق کہا کہ ''آپ فلاں صاحب سے میرے لئے وہ چیز مانگ لیجئے'' احمد فرمانے لگے ''میرے بھائی! میرے ساتھ کھڑے ہو جائیے، دونوں دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ ہی سے کیوں نہ مانگ لیں، کھلا در چھوڑ کر بند دروازے کا رخ کیوں کیا جائے'' (ذیل طبقات الحنابلۃ ج:۱ ص:۲۲۴)

یقیناً اللہ کا در ہر وقت کھلا رہتا ہے، یہ یقین اور ایمان کی کمزوری ہوتی ہے کہ اسے چھوڑ کر مخلوق کے بند دروازوں پر کھڑے ہو کر ذلت اٹھائی جائے، اس کھلے در کی طرف رجوع کی عادت تو ڈالئے، آزما کر تو دیکھئے۔ (''کتابوں کی درس گاہ میں'' ص:۴۵)

قسط اول

اخلاقِ نبوی ﷺ

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی/استاذ جامعۃ الفلاح بلریا گنج

خالق کائنات نے انسان کو خلاصہ کائنات بنایا، اسے خوبصورت ترین جسم اور بہترین پیرہن سے نوازا، عقل وشعور کی دولت بخشی، غور وفکر کی صلاحیت عطا کی، احساسات وجذبات کا سرمایہ دیا اور دنیا کی تمام چیزوں پر دسترس حاصل کرنے کی قوت دی اور اس میں تصرف کرنے کا اختیار عنایت کیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ اخلاق وکردار اور عمل کے اعتبار سے کون بہتر ہے۔

اور خیر وشر کی تمیز کے لیے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ جاری فرمایا تاکہ علم کے ساتھ اس کا عملی نمونہ بھی لوگوں کے سامنے رہے اور سب سے آخر میں رہتی دنیا تک کے لیے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا جو پوری کائنات کے لیے پیکر رحم وکرم بنا کر بھیجے گئے۔ چنانچہ تمام جہانوں کے رحمان ورحیم، رب کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اور جن کے متعلق خود اس نے گواہی دی کہ

انك لعلىٰ خلق عظيم۔ تم اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو۔

نیز ارشاد فرمایا کہ:

لقد جاءكم رسول من أنفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤوف رحيم۔

تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک پیامبر آئے جن پر تمہاری پریشانیاں نہایت گراں گذرتی ہیں اور جو تمہاری اچھائی اور بھلائی کے خواہش مند رہتے ہیں اور اہل ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہیں۔

رحم وکرم کی متعدد شکلیں اور مختلف درجے ہیں۔ پیاسے کو پانی پلانا، بھوکے کو کھانا کھلانا، بے لباسوں کو کپڑا پہنانا، مہمان نوازی کرنا، ٹھنڈک میں غریبوں کے لیے گرم کپڑے اور لحاف کا نظم کرنا، اجنبی مسافر کو راستہ بتانا، ناداروں اور کمزوروں کو اوپر اٹھانے کی کوشش کرنا، بچوں، ضعیفوں، غلاموں اور ماتحتوں پر ترس کھانا، جانوروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، مصیبت اور حادثات میں لوگوں کی مدد کرنا، ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہونا۔ یہ سب رحم کی صورتیں ہیں، اور اسی جذبے کے تحت والدین اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں، اور ڈوبنے یا جل کر مرنے والوں کو اپنی جان پر کھیل کر لوگ بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ سب رحمت کی ظاہری شکلیں ہیں، حقیقی رحمت یہ ہے کہ انسانیت کو ہلاکت وتباہی کے جہنم میں گرنے سے بچا لیا جائے، اور زخمی روح کی شفایابی کی کوشش کی جائے، اور اسے اخلاق وکردار کا پیکر بنا کر دنیا اور آخرت کی سعادت سے ہمکنار کیا جائے۔ اللہ کے رسولؐ کی زندگی اور تعلیمات میں رحمت کی یہ دونوں شکلیں بہت نمایاں ہیں۔

آپ کی تعلیمات کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا سب سے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا، آپ کی پوری زندگی قول وفعل کے تضاد سے خالی تھی، آپ کی زندگی اللہ کی رضا سے عبارت تھی۔ عبادت، معاشرت، اخلاق، معاملات، محبت ونفرت، ہر چیز اللہ کی رضا کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی، جس طرح سے آپ کی نماز اور روزہ عبادت ہوتی تھی، اسی طرح سے آپ ہنسی اور خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو بھی عبادت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین،
لاشریك له وبذالك أمرت وأنا أول المسلمین۔

تم کہہ دو کہ میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں فرمانبرداروں میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

آپ کو خود دست قدرت نے سجایا اور سنوارا تھا اور رہتی دنیا تک کے لیے نمونہ اور آئیڈیل بنایا جیسا کہ قرآن گواہی دیتا ہے کہ

لقد کان لکم فی رسول الله أسوة حسنة
تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات ایک بہترین نمونہ ہے۔

اس لیے کہ آپ کا پیکر قرآن کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، قرآن میں جو کچھ بھی ہے اس کے سب سے پہلے مخاطب اور سب سے زیادہ پابند آپ تھے، بیوی سے بڑھ کر راز دار کون ہوسکتا ہے، آپ کی اہلیہ حضرت عائشہؓ آپ کے اخلاق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

کان خلقه القرآن۔ آپ سراپا قرآن تھے۔(مسند احمد ۶/۹۱)

حسن سلوک

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وأحسنوا ان الله يحب المحسنين۔

اور اچھی روش اختیار کرو، اللہ تعالیٰ اچھی روش اختیار کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ

ان الله کتب الاحسان علی کل شيء۔(رواه مسلم، رياض الصالحين/ ٢٤٨، باب الحلم والرفق)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ اچھے برتاؤ کو ضروری قرار دیا ہے۔

آنحضور کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو حسن سلوک ہے جس میں دوست اور دشمن، اپنے اور بے گانے، طاقتور اور کمزور، مالدار یا نادار کی کوئی تفریق نہ تھی، بلکہ ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھتے تھے، جو سراپا رحم دلی اور انسانیت نوازی سے عبارت تھی۔ کسی کی دل شکنی اور بے عزتی گوارا نہ تھی، کسی کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچے یہ برداشت نہ تھا۔

غیر مسلموں کے ساتھ آپ کا برتاؤ

اپنوں، دوستوں اور مالداروں کے ساتھ اچھا برتاؤ تو بہت آسان ہے لیکن غیروں، دشمنوں اور کمزوروں اور ناداروں کے ساتھ حسن سلوک بڑا دشوار ہے لیکن یہی حسن اخلاق کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار ہے اور اللہ کے رسول کی زندگی میں یہ کٹھن مرحلہ بڑا آسان نظر آتا ہے، اس لیے کہ آپ کی ذات، پوری انسانیت کے لیے پیکر رحم و کرم تھی، اس لیے آپ ﷺ سخت غصہ کی حالت میں اور شدید ترین دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہا کرتے تھے۔

مکہ کے مشرکوں نے آپ پر ظلم و ستم کے ترکش کے تمام تیر استعمال کر ڈالے، ستم رانی کا کون سا ایسا طریقہ تھا جو آپ پر آزمایا نہ گیا ہو لیکن ان سب کے باوجود جب غزوۂ بدر میں یہ لوگ مارے

گئے تو آپ نے ان کی لاشوں کو چیل کوے، کتے اور جنگلی جانوروں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی تدفین کا انتظام کیا اور اس جنگ میں جولوگ قیدی بنائے گئے تھے، ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرنے کی تاکید فرمائی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ کرام خود بھوکے رہ کر انھیں پیٹ بھر کھلایا کرتے تھے اور جب یہ لوگ قید سے رہا ہوئے تو انھیں نیا جوڑا عنایت کر کے عزت واحترام کے ساتھ رخصت کیا۔

عکرمہ بن ابوجہل آپ کا جانی دشمن تھا، فتح مکہ کے بعد بھاگ کر یمن چلا گیا، ان کی بیوی نے ان کی جان کی امان چاہی، آپ نے بخوشی امان مرحمت فرمایا، وہ انھیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، فرطِ مسرت کی وجہ سے آپ کھڑے ہو گئے اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

مرحبا بالراکب المهاجر

ہجرت کرنے والے سوار! خوش آمدید۔(السیرۃ النبویہ للصلابی ۲/ ۶۱۸)

ایک شخص جو جنگ کی آگ بھڑکانے میں پیش پیش رہا کرتا تھا اور آپ کی جان لینے کے لیے موقع کی تلاش میں تھا لیکن جب اس کی جان پر بن آئی تو بھاگ کھڑا ہوا، ایسے شخص کا اس قدر شان دار استقبال، اور بھگوڑا کہنے کے بجائے ''مہاجر'' کے لفظ کا استعمال؟ کیا اس کی کہیں اور کوئی مثال مل سکتی ہے؟

صفوان بن امیہ نے عمیر بن وھب کو آپ کے قتل پر اکسایا تھا، جنھوں نے مدینہ پہنچ کر آپ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور صفوان شرک پر قائم رہا اور فتح مکہ کے بعد جدہ بھاگ گیا۔ حضرت عمیر نے اس کی طرف سے امان چاہا، آپ نے امان دے دیا اور بطور نشانی اپنا عمامہ عنایت فرمایا جسے لے کر وہ صفوان کے پاس گئے، اس نے آتے ہی فوراً پوچھا کہ عمیر کہتے ہیں کہ میری جان کو امان ہے، کیا یہ سچ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، اس نے کہا کہ مجھے دو ماہ کی مہلت مطلوب ہے، آپ نے فرمایا کہ چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے۔ صفوان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میری نگاہ میں ناپسندیدہ ترین لوگوں میں تھے، لیکن آپ مجھے ہمیشہ نوازتے تھے، یہاں تک کہ آپ کی ہستی میرے نزدیک محبوب ترین ہو گئی۔(صحیح مسلم/ ۲۳۱۳)

یہودیوں کا آپ کے ساتھ جو رویہ تھا وہ محتاج بیان نہیں ہے، مشرکوں کے ساتھ جو لڑائیاں ہوئیں، زیادہ تر ان ہی کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھیں، لیکن ان سب کے باوجود کبھی بھی آپ ان کے ساتھ غلط اور اہانت آمیز سلوک روا نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ جب ایک یہودی کا جنازہ

آپ کے پاس سے گذرا تو احترام انسانیت کے تقاضے کے پیش نظر کھڑے ہو گئے، لوگوں نے کہا کہ یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ بھی تو انسان ہے۔

فتح خیبر کے بعد ایک یہودی خاتون نے آپ کی دعوت کی، آپ نے دلجوئی کے مقصد سے اس کی دعوت قبول فرمالی، اس نے زہر آلود کھانا آپ کو کھلا دیا، لیکن اس قدر شدید جرم کو بھی آپ نے معاف کر دیا، آنحضورؐ زندگی کے آخری مرحلے میں کہا کرتے تھے کہ اس زہر کے اثر کی وجہ سے میری شہہ رگ کٹی جارہی ہے۔

نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ آیا، آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ ان کا استقبال کیا، نہایت اعزاز واکرام کا معاملہ فرمایا اور انھیں مسجد میں ٹھہرایا اور اپنے طریقے پر مسجد نبوی میں عبادت کرنے کی اجازت دی۔ (زادالمعاد ۳/۶۳۳)

ابن ابی، منافقوں کا سردار اور آپ کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا لیکن جب وہ مرض موت میں مبتلا ہوا تو آپ نے اس کی عیادت فرمائی اور کفن، دفن میں شریک رہے بلکہ ان کے بیٹے کی درخواست پر کفن میں رکھنے کے لیے اپنا پیرہن عنایت فرمایا۔

ان واقعات سے انداہ لگایا جاسکتا ہے کہ دشمنوں کے لیے بھی آپ کا سینہ کس درجہ کشادہ تھا اور آپ کی محبت ورحمت کا ابر کرم صرف دوستوں تک محدود نہ تھا بلکہ آپ پوری انسانیت کے لیے پیکر رحم وکرم تھے اور مومنوں کو آپ نے یہ تعلیم دی کہ

لا یؤمن أحدکم حتی یحب للناس ما یحب لنفسه۔

تم میں سے کوئی اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہی سلوک اور رویہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

یعنی مسلموں اور غیر مسلموں کی تفریق کے بغیر ہر ایک کے ساتھ اچھے برتاؤ کے بغیر کوئی مومن کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔

کمزوروں اور ناداروں کے ساتھ آپ کا طرز عمل

آپ کی نگاہ میں کمزور اور نادار سب سے زیادہ توجہ اور لطف ومہربانی کا مستحق تھا، آپ نے یہ تصور دیا کہ کمزوروں اور ناداروں ہی کی وجہ سے روزی ملتی ہے اور سرفرازی اور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

هل تنصرون وترزقون الا بضعفاء کم (ریاض الصالحین/۱۳۰)

حضرت خدیجہؓ آپ کی دن بھر کی مصروفیات کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا، آپ رشتہ داری کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کے لیے کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مشکل گھڑی میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

معاشرہ کے دبے کچلے اور دھتکارے ہوئے لوگ آپ کے یہاں لائق استقبال تھے اور عزت واحترام کے لائق۔ آپ کی شفقت وعنایت ایسے لوگوں پر سب سے زیادہ تھی، آپ اپنی دعاؤں میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! میری زندگی مسکینوں جیسی ہو اور موت بھی ان کی طرح سے آئے اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر ہو، آپ نے فرمایا کہ کسی مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد واپس مت کرو، گرچہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، عائشہؓ ! غریبوں سے محبت رکھو، ان کو اپنے سے قریب کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قربت عطا کرے گا۔ (مشکات ۲/ ۴۳۸)

ایک مرتبہ آنحضور صحابہ کرام کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، دیکھا کہ قبیلہ مضر کے کچھ لوگ اس حال میں چلے آرہے ہیں کہ بدن پر قاعدے کا کوئی کپڑا نہیں، ستر چھپانے کے لیے چیتھڑے لپیٹ رکھے ہیں، ان کی فاقہ مستی، بے لباسی اور پرمشقت زندگی کو دیکھ کر آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہاں سے اٹھ کر گھر تشریف لے گئے کہ انھیں دینے کے لیے کچھ مل جائے، لیکن کچھ نہیں ملا۔ دوسرے گھر میں گئے وہاں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوا، شدت اضطراب اور سخت پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر جاتے رہے، یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا، اذان دی گئی، نماز ہوئی اور اس کے بعد آپ نے ان کی امداد اور اعانت کے لیے تقریر فرمائی، جسے سن کر کے جس کے پاس جو کچھ تھا لا کر مسجد نبوی میں جمع کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ کپڑے اور کھانے کے سامان کا بڑا ذخیرہ ہو گیا جسے دیکھ کر آپ کا چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھا۔ (صحیح مسلم کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ)

حضرت زاہر دیہات کے رہنے والے تھے، وہاں سے آپ کے لیے گھی اور پنیر وغیرہ لایا کرتے تھے اور جب رخصت ہوتے تو نبی ﷺ کھجور وغیرہ انھیں عنایت کرتے، ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ گھر پہ موجود نہ تھے، وہ بازار کی طرف چلے گئے، اللہ کے رسول جب تشریف لائے تو آپ کو ان کی آمد کی اطلاع دی گئی، آپ فوراً ان کی تلاش میں بازار روانہ ہو گئے، دیکھا کہ وہ وہاں اپنا سامان بیچنے میں مشغول ہیں، آپ نے پیچھے کی طرف سے جا کر انھیں پکڑ لیا اور

فرمایا کہ کون اس غلام کوخریدے گا پہلے تو وہ گھبرا گئے،لیکن جب احساس ہوا کہ یہ صدا لگانے والے اللہ کے رسول ہیں تو وہ آپ کے سینے سے لگ گئے اور کہنے لگے اللہ کے رسولؐ! مجھے خرید کر کون گھاٹے کا سودا کرے گا، میں تو ایک کھوٹے سکے کی طرح ہوں، آپ نے فرمایا کہ لیکن تم اللہ کے نزدیک بہت قیمتی ہو۔(ترمذی فی الشمائل)

سوچنے کی بات ہے کہ حضرت زاہر ایک عام صحابی تھے، اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو شاید کوئی ان کے نام سے بھی واقف نہیں ہوتا، اگر کوئی اور ہوتا تو خیال کرتا کہ اس طرح کے لوگ آتے ہی رہتے ہیں، دوبارہ آجائیں گے، نماز میں یا کسی وقت ملاقات ہو جائے گی، لیکن رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں کوئی عام اور خاص نہیں بلکہ ہر ایک محبوب تھا، آپ نے ان کو اتنی اہمیت دی کہ ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور بکری اور اونٹ کے چرواہے کو جو گرد وغبار سے اٹا ہوا اور پسینہ میں شرابور تھا ایک ایسی ہستی نے اپنے سینے سے چمٹا لیا جو سراپا معطر اور روئے زمین پر سب سے زیادہ پاکباز تھا۔آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ ان کا لباس میلا اور ان کے پسینے سے بدبو آرہی ہے۔

حسن معاشرت

خواتین کے بارے میں دنیا ہمیشہ نہایت عجیب افراط وتفریط کا شکار رہی ہے، مندروں میں وہ دیوی کی حیثیت سے براجمان رہتی ہے اور لائق پرستش ہے، لیکن گھر میں اس کی وقعت داسی سے بھی بدتر ہے، فکر وفلسفہ کے اعتبار سے وہ مرد کے ہمدوش بلکہ کبھی اس سے برتر بھی خیال کی جاتی ہے لیکن عملی دنیا میں اس کی زندگی آج بھی قابل ترس ہے، عیار ذہنوں نے اسے گھر کی محفوظ چہار دیواری سے نکال کر بازار میں سامان تجارت اور متاع ہوس بنا رکھا ہے اور اس کے نازک کاندھوں پر دوہری ذمہ داری کا بوجھ لاد رکھا ہے۔

اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کو ان کا جائز مقام عطا کیا، ان کی عزت نفس ،شرافت اور خودداری کا لحاظ رکھا اور انھیں صرف وہی ذمہ داری دی جو ان کی فطرت اور طبیعت سے مناسب تر ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولھن مثل الذی علیھن۔

اور ان کے لیے بھی اسی طرح سے کچھ حقوق ہیں جیسے کہ ان پر ہیں۔

اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ

وعاشروھن بالمعروف۔

عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے برتاؤ کرو۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

سب سے کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے ساتھ سب سے اچھا برتاؤ کرے۔(ترمذی وقال حسن صحیح، ریاض الصالحین/۱۳۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ

بہتر اخلاق رکھنے والا وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ سب سے بہتر برتاؤ کرتا ہوں۔(زادالمعاد ا/۱۵۲)

اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرو، وہ تمہارے پاس اللہ کی امانتیں ہیں، تمہارے کچھ حقوق ان پر ہیں اور ان کے حقوق تمہارے اوپر ہیں۔(ریاض الصالحین/۱۳۲)

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ

عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اس لیے کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور سب سے زیادہ کجی پسلی کے اوپری حصے میں ہوتی ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنے چلوگے تو اسے توڑ دوگے اور اگر اسی طرح رہنے دوگے تو کجی باقی رہے گی، لہٰذا ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔(متفق علیہ، ریاض الصالحین/۱۳۱)

ازواج مطہرات کے ساتھ اللہ کے رسول کے طرز عمل سے متعلق متعدد واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی بھی درجے میں ان کی تحقیر اور حوصلہ شکنی گوارہ نہ تھی، ایک مرتبہ رمضان میں ازواج مطہرات میں سے کسی نے آپ سے اعتکاف کی اجازت چاہی، اجازت ملنے پر ان کے لیے مسجد میں خیمہ لگا دیا گیا، ان کو دیکھ کر دوسری بیویوں نے بھی اعتکاف کے لیے اپنا خیمہ لگالیا، پوری مسجد خیموں سے بھر گئی، دو شکل تھی یا تو تمام بیویوں کے خیمے اٹھوادئے جاتے، ایسی صورت میں ان کی دل شکنی ہوتی یا جنھوں نے اجازت لی تھی ان کو باقی رکھا جاتا اور دوسروں کو منع کردیا جاتا اس حالت میں انھیں شکایت ہوتی، جس کی وجہ سے آپ نے ایک تیسری راہ

اپنائی، خود آپ نے اس سال اعتکاف کا ارادہ ترک کر دیا، جس کی وجہ سے تمام ازواج مطہرات نے از خود اپنے خیمہ ہٹا لئے۔

خواتین کے تعلق سے اس درجہ حساس وہی ہستی ہوسکتی ہے جو ان کے ساتھ بھلے برتاؤ کو اسی طرح سے عبادت سمجھتی ہو جیسے کہ نماز اور روزہ کو۔

حضرت عائشہؓ نے عید کے موقع پر حبشیوں کے کھیل کو دیکھنے کی خواہش کی، آپ نے انھیں نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ اپنا کندھا پیش کر دیا، وہ آپ کے کندھے پر ٹیک لگا کر ان کا کھیل دیکھتی رہیں اور جب تک کہ وہ خود سے نہیں ہٹ گئیں آپ وہاں سے ہلے نہیں۔

حضرت اسود بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ اللہ کے رسولؐ گھر جا کر کیا کرتے ہیں، انھیں امید تھی کہ جواب ملے گا کہ ہمہ وقت ذکر و تلاوت کرتے ہیں، نماز میں مشغول رہتے ہیں وغیرہ، لیکن خلاف توقع انھیں جواب ملا کہ

یکون فی مھنة أھله، فاذا حضرت الصلاة یتوضأ ویخرج الی الصلاة۔

گھر کے کام کاج میں ہماری مدد کیا کرتے تھے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو وضو کرتے اور نماز کے لیے چلے جاتے۔

انھیں سے منقول ہے کہ آپ نے کبھی کسی غلام، باندی، عورت یا جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، آپ جب گھر میں تشریف لے آتے تو ہنستے اور مسکراتے ہوتے، ازواج مطہرات کے ساتھ انتہائی خوش مزاجی سے پیش آتے، کسی بات پر ناگواری کا اظہار نہ کرتے۔

زمانہ جاہلیت میں اور آج بھی بچیوں کی پیدائش باعث ننگ و عار اور ان کی کفالت اور پرورش کو بوجھ سمجھا جاتا ہے، آپ نے اپنے قول وعمل کے ذریعہ اس تصور کو ختم کیا، جس کے نتیجے میں فتح مکہ کے بعد حضرت حمزہ کی صاحب زادی کی پرورش کے لیے تین تین دعویدار نکل آئے، حضرت علیؓ کہنے لگے کہ میں اس کی پرورش کروں گا اس لیے کہ میرے چچا کی لڑکی ہے، حضرت جعفرؓ کا کہنا تھا کہ یہ میرے یہاں رہے گی اس لیے کہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے، حضرت زیدؓ کا خیال تھا کہ میں اس پر زیادہ حق رکھتا ہوں اس لیے کہ میرے اسلامی بھائی کی لڑکی ہے۔

خود آنحضور ﷺ نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ جس محبت وشفقت کا معاملہ فرمایا ہے اس کی مثال

ملنی مشکل ہے۔

آپ نے ماں کی حیثیت سے عورت کو جوعزت ووقار دیا اس سے بڑھ کر کسی عزت واحترام کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے، آپ نے فرمایا کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے، ایک صحابی نے دریافت کیا کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ فرمایا: تمہاری ماں، انھوں نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا اور ہر بار آپ کا جواب تھا تمہاری ماں۔

بچوں اور یتیموں پر شفقت

آپ سے پہلے یتیموں کے حق پر دست درازی ایک عام بات تھی، ان کے ساتھ نہایت ناروا اور اہانت آمیز سلوک روا رکھا جاتا تھا، خود قرآن میں جگہ جگہ ان کے ساتھ لوگوں کے غلط رویہ کا ذکر ہے، آپ نے ان تمام زیادتیوں کا سد باب فرمایا، آپ کا ارشاد ہے کہ سب سے بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کی کفالت کی جائے اور سب سے بدترین گھر وہ ہے جس میں ان کے ساتھ بدسلوکی کی جائے (رواہ ابن ماجہ، الترغیب۲/ ۹۶۱)، نیز یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں مجھ سے اس درجہ قریب ہوگا جیسے کہ بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی ہے۔ (متفق علیہ، الترغیب۲/ ۹۶۱)

بچوں کے ساتھ آپ کو اس درجہ انس اور تعلق تھا کہ کسی سفر سے واپسی پر راستے میں جو بھی بچے ملتے ان میں سے کسی ایک کو اپنی سواری پر بٹھا لیتے، آپ کا معمول تھا کہ جب نیا پھل آپ کی خدمت میں لایا جاتا تو کسی بچے کو بلا کر اسے سب سے پہلے کھلاتے، بچوں کو چومتے اور ان سے پیار کرتے، ایک مرتبہ آپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھ کر اقرع بن حابس نے کہا کہ میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے ان میں سے کسی کو پیار نہیں کیا، آپ نے فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (متفق علیہ، الترغیب۲/ ۸۷۲)

حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ لیٹے ہوئے تھے، حضرت حسن وحسین میں سے کوئی آئے اور آپ کے پیٹ پر بیٹھ گئے، آنحضور انھیں گدگدانے لگے جس کی وجہ سے وہ ہنسنے لگے اور ان کے ساتھ آپ بھی ہنستے رہے اور اسی دوران انھوں نے پیشاب کرنا شروع کر دیا حضرت انس تیزی سے لپکے تاکہ انھیں آپ کے اوپر سے ہٹا دیں، آپ نے فرمایا کہ نہیں رہنے دو میرے بچے کو گھبراہٹ میں مبتلا نہ کرو اور جب وہ اس سے فارغ ہوگئے، آپ نے انھیں ایک طرف بٹھا دیا اور پیشاب کو دھل دیا۔ (رواہ البیہقی)

محبت وشفقت کی یہ پھوار صرف مسلمان بچوں پرنہیں برستی تھی بلکہ غیر مسلم بچے بھی اس سے اسی طرح مستفید ہوتے تھے، ایک جنگ میں آپ کو مشرکین کے بچوں کے مارے جانے کی اطلاع ملی، آپ کو شدید تکلیف ہوئی، کسی نے کہا کہ یہ مشرکین کے بچے تھے، آپ نے فرمایا کہ مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں، سن لو بچوں کو ہرگز قتل نہ کرو، سن لو انھیں ہرگز نہ مارو، ہر جان اللہ کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔ (مسند احمد ۳/ ۴۳۵)

غلاموں اور خادموں کے ساتھ آپ کا رویہ

دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ مظلوم طبقہ غلاموں کا طبقہ تھا، جس کا کوئی حق نہیں تھا روم و ایران کے مہذب قوموں کا یہ حال تھا کہ وہ غلاموں کا درندوں سے مقابلہ کرایا کرتے تھے اور ان کی بے رحمانہ ہلاکت کا تماشا دیکھا کرتے تھے اور اس انسانیت سوز تماشا کے لیے یورپ میں بڑے بڑے اسٹیڈیم بنے ہوئے تھے، آنحضور ﷺ نے انھیں سماج میں سر اٹھا کر جینے کا حق عطا کیا، انھیں ایسے الفاظ میں پکارنے سے منع فرمایا جس سے ان کی تذلیل ہوتی ہو، جس کا نتیجہ تھا کہ حضرت بلال جیسے حبشی غلام کو اکابر صحابہ ہمارے آقا اور سردار کہہ کر پکارتے تھے اور شرفاء عرب کی لڑکیوں سے ان کا نکاح ہوا۔

فتح مکہ کے بعد ابوسفیان، حضرت سلمان فارسی، صہیب رومی اور حضرت بلال حبشی کے پاس سے گذرے، انھیں دیکھ کر ان لوگوں نے کہا کہ اللہ کے دشمنوں کے سلسلہ میں ابھی اللہ کی تلوار کا حق ادا نہیں ہوا ہے، یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ تم لوگ سردار قریش سے اس طرح کی بات کہہ رہے ہو، پھر انھوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا ہے، اگر وہ لوگ خفا ہوگئے تو تم سے تمہارا رب ناراض ہو جائے گا، حضرت ابوبکرؓ بھاگ کر ان کے پاس پہنچے اور کہنے لگے میرے بھائیو! کیا تم ناراض ہوگئے ہو، ان لوگوں نے کہا کہ نہیں، اللہ آپ کو معاف کرے۔ (رواہ مسلم، ریاض الصالحین/ ۱۲۸)

غلاموں کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ بھی تمہارے بھائی ہیں جنھیں اللہ نے تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے، لہٰذا جو تم کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو تم پہنو ان کو بھی پہناؤ (متفق علیہ، الترغیب ۲/ ۸۷۸)، یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آپ کو انھیں کی فکر تھی آپؐ کی آخری وصیت یہ تھی کہ غلاموں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ (ابوداؤد ۲/ ۲۱۸، کتاب الادب، الترغیب

(۸۸۰/۲

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے نو سال تک رسول اللہﷺ کی خدمت کی، لیکن میرے کسی کام پر آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کیوں کیا اور نہ کسی کام میں عیب نکالا اور نہ ہی کبھی اف کہا (متفق علیہ، ریاض الصالحین/۲۴۳)، ایک صحابی نے عرض کیا کہ میرا خادم میرے ساتھ برا برتاؤ کرتا ہے، مجھ پر ظلم کرتا ہے ؟ کیا میں اسے مارسکتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ ہر روز اسے ستر بار معاف کر دیا کرو۔ (ابویعلیٰ، الترغیب۲/۸۸۱)

جانوروں پر رحم اور مہربانی

آپ سراپا رحمت اور پوری کائنات کے لیے رحمت بن کے آئے تھے، اس لیے اس ابررحمت سے پوری دنیا سیراب ہوئی، آپ بے زبان جانوروں کے لیے بھی رحم و کرم اور لطف و ہمدردی کا پیام لے کر آئے، آپ نے جانوروں کو بھوکا رکھنے پر سخت وعید بیان فرمائی، ایک انصاری کے بھوکے اونٹ کو دیکھ کر فرمایا کہ اس جانور کے معاملہ میں اللہ سے نہیں ڈرتے ہو؟ (حوالہ مذکور کتاب الجہاد ۱/ ۳۴۵، الترغیب۲/۸۷۴)، آپ نے فرمایا کہ ایک عورت صرف اس لئے جہنم کا لقمہ بن گئی کہ وہ بلی کو بھوکا رکھتی تھی (بخاری وغیرہ، الترغیب۲/۸۷۶) اور ایک بدکردار عورت کے لیے کتے کو پانی پلانا جنت میں جانے کا ذریعہ بن گیا۔

پہلے اور آج بھی لوگ جانوروں کو باہم لڑا کر ان کا تماشا دیکھتے ہیں، آپ نے اس درندگی کی سختی سے ممانعت فرمائی (ابوداؤد و ترمذی، الترغیب۲/ ۸۷۷)، سخت دلی کی انتہاء یہ تھی کہ کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیراندازی کی مشق کیا کرتے تھے، آپ نے شدت کے ساتھ اس سے منع فرمایا۔ (متفق علیہ، الترغیب۲/۸۷۳)

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جانور کو لٹا کر چھری تیز کر رہا ہے، آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم اسے دو بار مارنا چاہتے ہو، لٹانے سے پہلے تم نے چھری تیز کیوں نہیں کر لی؟ (الترغیب۲/ ۸۷۷)

ایک سفر کے دوران کسی صحابیؓ نے پرندے کے بچوں کو ان کے گھونسلے سے اٹھالیا، ان کی ماں اس کے سر پر منڈلانے لگی، آپ نے فرمایا کہ اس پرندے کو کس نے پریشان کر رکھا ہے، اس کے بچے واپس کر دو۔ (ابوداؤد، الترغیب۲/۸۷۴)

حسن معاملہ

عام طور پر چند عبادات کی ظاہری اہتمام سے ادائیگی دین داری سمجھی جاتی ہے، یعنی معاملات کا کھوٹا اور بدعنوان بھی پختہ مسلمان ہوسکتا ہے بس اتنا کافی ہے کہ اس کی ظاہری ہیئت ٹھیک ہو اور نماز ، روزہ کا پابند ہو، حالانکہ معاملات کی صفائی اور امانت اور سچائی پر اس دین کی بنیاد ہے، معاملات میں امانت و دیانت نبی آخر الزماں کا نمایاں وصف ہے، نبوت سے پہلے آپ صادق اور امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے، عرب کے مشہور تاجر حضرت سائب کہتے ہیں کہ آپ ﷺ تجارت میں میرے شریک تھے اور آپ نے ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔

(ابوداؤد ۲/ ۱۹۰، کتاب الادب باب کراہیۃ المراء)

حضرت خدیجہؓ نے آپ کے اسی وصف سے متاثر ہوکر آپ سے نکاح کا پیغام بھیجا۔

حضرت خولہ کہتی ہیں کہ بنی ساعدہ کے ایک آدمی سے آپ ﷺ نے کچھ کھجوریں قرض لی تھیں، کچھ دنوں کے بعد وہ اسے مانگنے آئے، آپ نے ایک انصاری صحابی کو اس کی ادائیگی کا حکم دیا لیکن انھوں نے جو کھجوریں دیں وہ ان کے کھجوروں سے کمتر تھیں، انھوں نے اسے لینے سے انکار کردیا، انصاری نے کہا کہ تم اللہ کے رسولؐ کی دی ہوئی کھجوریں واپس کررہے ہو، انھوں نے کہا ہاں، جب اللہ کے رسول کے یہاں انصاف نہیں ملے گا تو پھر کہاں ملے گا، یہ سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ صحیح ہے ، مجھ سے بڑھ کر انصاف کرنے والا کون ہوگا؟ اور اسے عمدہ کھجوریں دینے کا حکم دیا۔(الترغیب ۲/ ۳۲۷)

محدث ابن ماجہ نے نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی آپ کے پاس اپنے قرض کے تقاضے کے لیے آیا اور بڑے سخت لہجے میں آپ سے گفتگو کی، صحابہ کرام نے اسے ڈانٹا، تیرا ستیاناس ہو، تجھے معلوم ہے کہ تو کس سے بات کررہا ہے؟ اس نے کہا کہ میں اپنا حق مانگ رہا ہوں، آنحضورؐ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو میری طرف داری کے بجائے حق والے کا ساتھ دینا چاہیے، پھر آپؐ نے اس کا قرضہ واپس کیا اور کھلا پلا کر رخصت کیا۔(الترغیب ۲/ ۳۳۷)

آپ کی امانت و دیانت کا یہ حال تھا کہ آپ کے جانی دشمن بھی اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھا کرتے تھے، جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو اہل مکہ کی بہت ساری امانتیں آپ کے پاس تھیں جن کی ادائیگی کے لیے آپ نے حضرت علیؓ کو مکہ میں رہنے کا حکم فرمایا۔

(دوسری قسط اگلے شمارہ میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوانحی ادب میں علمائے دیوبند کی نگارشات

مولانا مفتی اشتیاق احمد صاحب قاسمی، استاذ دارالعلوم دیوبند

''سوانح'' غیر افسانوی ادب کی مقبول ترین صنف ہے، اس میں کسی بھی فرد کی پیدائش سے لے کر موت تک کے خارجی حالات کے ساتھ داخلی کوائف (جذبات واحساسات) بیان کیے جاتے ہیں، ''انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا'' میں سوانح عمری کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

> ''سوانح عمری ایسا بیانیہ ہے جو کسی فرد کی زندگی اور شخصیت کی بازآفرینی اور اس کے عمل کو شعوری اور فن کارانہ انداز میں قلم بند کرنے تقاضا کرتا ہے''(۱)۔

سوانح میں ہر زمانے کے حالات طرزِ نگارش اور رسم ورواج کا بھی ذکر ہوتا ہے، لکھنے پڑھنے کے رواج سے پہلے یہ چیزیں سینہ بہ سینہ چلتی چلی آرہی تھیں، آدمی اپنے پیش رو کی زندگی معاصرین کو سناتا تھا، ظاہر ہے کہ اس طرزِ ادا میں انضباط، احتیاط اور ضابطگی نہیں تھی، جب یہ چیزیں تحریر میں آنے لگیں تو شروع میں افسانویت کا رنگ لیے ہوئے تھیں، مبالغہ آرائی سے لبریز ہوتی تھیں، اٹھارہویں صدی میں یورپ میں اس فن میں پختگی آئی، بیسویں صدی میں اردو زبان میں بھی سوانح نگاری میں ترقی ہوئی (۲)۔

دارالعلوم دیوبند اشاعتِ اسلام کی تحریک ہے، اس کا امتیاز دینی علوم کی اشاعت ہے، اردو زبان کو دیوبند نے اپنی تحریک کا ذریعہ بنایا، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اردو زبان کی حفاظت کے وجوب کا فتویٰ دیا(۳)۔ دیوبندیت کی ترجمانی اور ابنائے دیوبند کے مآثر اسی زبان میں زیادہ ملتے ہیں، اس کی حفاظت کے لیے حکیم الاسلام قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے کانفرنسیں کیں، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے ''اردو پارک دہلی'' کے جلسے میں اردو کے لیے جان کے نذرانے پیش کرنے کی دھمکی دی(۴)۔ دارالعلوم دیوبند کا پورا نظام اردو زبان میں چلتا ہے، یہ بات بھی قابل ذکر

ہے کہ یہاں دفتری نظام کے بعض قضیے نثر کے بجائے نظم میں حل کیے گئے، طرفین نے اپنے دلائل منظوم پیش کیے، مہتمم دارالعلوم مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے منظوم فیصلہ صادر فرمایا۔ دارالعلوم میں تدریس کا میڈیم اردو ہے ''اصولِ شاعری'' باضابطہ نصاب کا حصہ رہے ہیں، طلبہ کی بڑی تعداد میں شاعری کا ذوق ہے، بیت بازی اور شعری نشستیں تزک واحتشام سے منعقد ہوتی ہیں (۵)۔ عربی اور فارسی ادب کے ساتھ راست طور پر اردو ادب میں علمائے دیوبند کی خدمات سے کتب خانے لبریز ہیں، نظم، نثر، افسانوی اور غیر افسانوی ادب میں علمائے دیوبند کی خدمات کا دائرہ وسیع ہے؛ البتہ بڑا ذخیرہ غیر افسانوی ادب کا ہے، صحافتی مشق وتمرین کے لیے تقریباً اَسی (۸۰) دیواری پرچے نکلتے ہیں، ان میں اکثر کی زبان اردو ہوتی ہے، بعض عربی، فارسی، پشتو، بنگالی، آسامی، تمل اور ملیالم زبان میں ہوتے ہیں، اکثر ماہ نامے ہوتے ہیں، بعض پندرہ روزہ اور بعض ہفت روزہ اخبار کی شکل میں نکلتے ہیں، ان میں نثری اصناف میں ''فکشن، خاکہ، تذکرہ، مضمون، افسانچہ، رپورتاژ، واسوخت، انشائیہ، طنز ومزاح اور مقالہ'' اسی طرح شعری اصناف میں ''نظم، غزل، قصیدہ، قطعہ، مرثیہ، مثنوی اور رباعیات'' وغیرہ کی نوخیز مثالیں ملتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب طلبۂ دارالعلوم علماء بن کر میدانِ عمل میں آتے ہیں تو تحریک دیوبند کا حصہ بن جاتے ہیں، علمی اور قلمی میدان میں مشاق شہ سوار کی طرح اپنی جولانیاں دکھاتے ہیں۔

اردو زبان وادب کی خدمات کے تعارف میں علمائے دیوبند نے متعدد کتابیں لکھی کی ہیں، ''علمائے دیوبند اور اردو ادب'' یہ مولانا عبداللہ قاسمی حیدرآبادی کی کتاب ہے، یہ موصوف کے قسط وار مقالوں کا مجموعہ ہے، جو روزنامہ ''الجمعیۃ'' دہلی میں طبع ہوتے رہے، اردو کے عظیم ترین مصنف حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ناظم جمعیۃ علمائے ہند دہلی نے کتابی شکل میں اس کی طباعت واشاعت کا مشورہ دیا تھا۔ دوسری کتاب حقانی القاسمی کی ہے، اس کا عنوان ہے: ''دارالعلوم دیوبند- ادبی شناخت نامہ'' اس میں ''شعری منظر نامہ'' پیش کرنے کے ساتھ ہی ''افسانوی اور غیر افسانوی ادب'' میں علمائے دیوبند کی خدمات پیش کی گئی ہیں، عظیم ترین نقادوں اور جلیل القدر مصنّفین کے چند نمونے پیش کیے ہیں، کتاب میں مصنف کی زبان، ان کا البیلا بیانیہ اسلوب وادا اور ترسیل وپیش کش دارالعلوم دیوبند کی چہار دیواری کی تربیت کا مظہر ہیں، اب تک کسی فاضل نے دارالعلوم دیوبند کو اتنا عمدہ خراجِ ادب پیش نہیں کیا ہے۔ تیسری کتاب مولانا اعجاز ارشد قاسمی کی ''من شاہِ جہانم'' ہے، اس میں بھی زبان وادب، صحافت وتصنیف اور نظم ونثر کے حوالے سے دارالعلوم کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۸۶۶ء/۱۲۸۳ھ میں ہوا، اس کے اوّلین بزرگوں میں جن لوگوں کا نام آتا ہے، ان میں سے اکثر کا ادبی ذوق بلند تھا، اردو کے علاوہ فارسی اور عربی میں اور مہارت تھی، شاعری پر قدرت تھی، مثلاً: ''تذکرۃ البلاغت'' کے مؤلف حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء-۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) فنِ بلاغت (معانی، بیان اور بدیع) کو اردو زبان میں سب سے پہلے منتقل کرنے کا اعزاز ان کو حاصل ہے، اس پر موصوف کو ایوارڈ بھی ملا تھا(۶) بریلی کالج کے پروفیسر تھے پھر محکمۂ تعلیم سے میرٹھ میں مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر بنائے گئے، مغربی علوم سے واقفیت کے ساتھ تینوں زبانوں کے ادیب تھے، دیوانِ حماسہ، دیوانِ متنبّی، سبع معلقات، قصیدہ بانت سُعاد اور قصیدہ بُردہ کی اردو شرحیں ڈیڑھ سو سال کے بعد بھی کلاسیکیت کا لطف دیتی ہیں''(۷)۔

دوسرے مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ (وفات: ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) بریلی، بجنور اور سہارن پور میں محکمۂ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے، اردو اور فارسی کے ممتاز شاعر تھے، عربی زبان میں بھی مہارت تھی، دیوبند میں طاعون کے زمانے (۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء) میں کہی گئی موصوف کی نظم ''غم دیبن'' بہت معروف ہے اس نظم میں ''واسوخت'' کے اوصاف مکمل طور پر موجود ہیں۔ پہلے دیوبند کو ''دیبن'' کہا جاتا تھا، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ استاذ الکل مولانا مملوک العلیؒ کے فرزند ہیں، یہ بلند پایہ شاعر تھے، تخلص ''گمنام'' تھا، ''بیاض یعقوبی'' میں ادب پارے خوب ملتے ہیں، غالبؔ، مومنؔ، ذوق، صہبائی اور آزردہ کے ہم عصر ہیں، سوانح نگاری میں آپ کو اولیت حاصل ہے، ''سوانح عمری مولانا قاسم'' ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں لکھی، یہ مولوی حسین آزاد کی ''آبِ حیات'' کی ہم عمر سوانح ہے، بعد کی اصطلاح کے لحاظ سے اس کو ''خاکہ'' کہنا زیادہ بہتر ہے؛ اسی کو سامنے رکھ کر مولانا مناظر احسن گیلانی نے ''سوانح قاسمی'' کی پہلی جلد تیار فرمائی ہے، مولانا محمد یعقوبؒ کی سوانحی تحریر میں خاکہ کی مکمل خوبو موجود ہے، ولادت سے لے کر وفات تک کی ساری باتیں نہایت ہی اچھے پیرائے اور سیدھے سادے الفاظ میں لکھی ہیں، مبالغہ آمیزی سے بالکل پاک ہے، اخلاق وعادات، خدمات وآثار کو سلجھے ہوئے انداز میں لکھا ہے، اس کو حیاتِ نانوتویؒ کی ''قلمی تصویر'' کہنا بالکل برمحل ہوگا، خاکہ کے اجزائے ترکیبی؛ ''اختصار، وحدت تاثر، کردار نگاری، واقعہ نگاری، منظر کشی، اور زبان وبیان کی جاذبیت'' سب کچھ موجود ہے، اردو ادب کی تاریخ میں اس سے پہلے ''خاکہ'' کی مثالیں نہیں ملتی ہیں، افسوس ہے کہ ناقدینِ ادب کی نگاہ اب تک اسے دیکھ نہ سکی، ''سوانحِ قاسمی'' کی پہلی جلد کے شروع میں شامل اشاعت ہے، دارالعلوم دیوبند

کے کتب خانے میں اس کے دو نسخے مقالہ نگار نے دیکھے ہیں اور ان سے استفادہ بھی کیا ہے، ''آبِ حیات'' تو اصلاً تاریخ ہے، اس میں خاکہ کے نقوش ہی ملتے ہیں، اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ پوری خوبی کے ساتھ خاکہ کی اوّلین مثال مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی تحریر ہے۔

سوانحی صنف کا دوسرا خاکہ ۱۸۹۶ء/۱۳۱۴ھ میں حاجی محمد مرتضٰی خان قنوجیؒ نے ''شمائم امدادیہ'' کے نام سے تیار کیا، یہ حضرت حاجی صاحبؒ کے مریدوں میں سے تھے، یہ دراصل مولانا عبدالغنی عظیم آبادی بہاری کی فارسی تصنیف ''نفحاتِ مکیہ'' کے بارہ نفحات میں سے سات نفحات کا ترجمہ ہے۔

۱۹۰۵ء/۱۳۲۳ھ میں ''وصل الحبیب'' مرتب ہوئی، اس میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مرض الوفات سے وفات تک کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، اسی کے ساتھ ایک عربی قصیدے کا اردو ترجمہ اور حضرت گنگوہیؒ کا وصیت نامہ اس میں شامل ہے، مرتب مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی ہیں، موصوف کا قلم نہایت سلیس ورواں ہے، تعبیرات میں بالیدگی اور بلاغت خوب ہے، اس تحریر کو مقالہ نگار صنفی لحاظ سے ''تذکرہ'' سمجھتا ہے، جس میں زندگی کے ایک پہلو کا ذکر ہوتا ہے، عام طور سے اس کو شاعر اور شاعری سے جوڑ کر سمجھا جاتا ہے کہ شاعر کی زندگی اور اس کے کلام پر گفتگو ہوتی ہے؛ مگر راقم تذکرہ میں شاعر اور شاعری کی قید کو احترازی نہیں سمجھتا محض اتفاقی سمجھتا ہے، کسی بھی شخص کی زندگی کے خاص گوشے کو ادبی اسلوب میں ذکر کرنے کو تذکرہ کہنا چاہیے۔ غرض یہ کہ ''وصل الحبیب'' ایک ادبی مرقع ہے۔

مولانا محمد عاشق الٰہیؒ نے ۱۹۰۸ء/ ۱۳۲۶ھ میں ''تذکرۃ الرشید'' مرتب فرمائی، یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی مفصل سوانح حیات ہے، دو جلدوں میں چھ سو صفحات پر مشتمل ہے، اس میں سوانح نگاری کے سارے اوصاف موجود ہیں، صاحبِ سوانح کو ایسا ہی پیش کیا گیا ہے جیسے وہ ہیں، کہیں کہیں انداز والہانہ ضرور ہے، اس میں ادبیت و بلاغت کے لوازم مکمل طور پر موجود ہیں، حضرت گنگوہی کی سوانح بہت مقبول ہوئی تو احباب ومعاصرین نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری کی وفات ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء کے بعد سوانح نگار سے سوانح نگاری کی خواہش کی، موصوف نے تین سو صفحات پر مشتمل سوانح تحریر فرمائی، ان سب سے پہلے ۱۹۰۲ء/ ۱۳۲۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری ''اسلام'' کے نام سے چار حصوں میں لکھ چکے تھے، علمائے دیوبند میں اردو زبان میں سب سے پہلی سوانح عمری ہے، جو چار سو صفحات میں لکھی گئی۔

۱۹۰۶ء/۱۳۲۴ھ میں مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ نے مولانا روم کا خاکہ ''مولوی

معنوی'' کے نام سے مرتب کیا، یہ وہی سال ہے جس سال علامہ شبلی نے ''سوانح مولانا روم'' لکھی تھی، مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ کا دوسرا خاکہ ''حیاتِ خضر'' بھی اسی سال شائع ہوا۔ ۱۹۱۴ء/ ۱۳۳۳ھ میں حاجی محمد نذیر احمد دیوبندیؒ نے ''تذکرۃ العابدین'' لکھی، اس میں تین سو اٹھارہ بزرگوں کا تذکرہ ہے، اس میں بعض بزرگوں کے ''خاکے'' بھی ہیں، تاریخ اور تصوف کے بہت سے حقائق بھی اس میں محفوظ ہیں، حضرت سید محمد عابد دیوبندیؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے نام اور اہل معرفت بزرگوں کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اس کا نام ''تذکرۃ العابدین امدادالعارفین'' ہے، اس کے مصنف حضرت حاجی سید محمد عابد دیوبندیؒ کے خلیفہ تھے۔ ۱۹۱۵ء- ۱۹۱۹ء/ ۱۳۳۴ھ- ۱۳۳۸ھ میں ''سوانح عمری ابوذر غفاریؓ'' مولانا گیلانیؒ نے مرتب فرمائی، صحابیِ رسول کی سوانحی معلومات اس سے زیادہ کسی کتاب میں موجود نہیں، یہ سوانح عمری ''افادی'' دبستان سے قریب معلوم ہوتی ہے۔ ۱۹۱۸ء/ ۱۳۳۷ھ میں ''حضرت اویس قرنیؒ'' کا خاکہ بھی مولانا گیلانی نے مرتب فرمایا ہے، اس میں سوانح نگار کی علمی خصوصاً محدثانہ حیثیت کھل کر نظر آتی ہے، تابعی موصوف کی زندگی کے سلسلے میں بے اصل روایات کی تردید فرمائی ہے۔ خاکہ میں زندگی کے بہت سے پہلو ذکر نہیں کیے گئے ہیں؛ اس لیے قاری کی تشنگی کے بہت سے پہلو مذکور نہیں ہیں۔ ۱۹۲۰ء/ ۱۳۳۹ھ میں ''حیاتِ شیخ الہند'' (مولانا محمود حسن دیوبندیؒ) کے نام سے مولانا سید اصغر حسین میاں دیوبندیؒ نے سوانح مرتب فرمائی، اس پر سوانح کی اصطلاح مکمل طور پر چسپاں ہوتی ہے، سوانح نگار کی مؤرخی اور مصوری دونوں کھل کر سامنے آجاتی ہیں، اسی سال حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''ذکرِ محمود'' کے نام سے، حضرت شیخ الہندؒ کا ایک ''تذکرہ'' مرتب کیا، اس کا انداز دفعاتی ہے، ''ذکر'' کے عنوان کے تحت نمبروار الگ الگ یادداشت کو مرتب فرمایا ہے۔ حضرت تھانویؒ کی سوانحی تصنیف میں ''**امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق**'' بڑی اہمیت کی حامل ہے، اس میں حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے احوال کو بہت ہی تفصیل وترتیب سے نقل کیا ہے، شخصیت کے ہر پہلو کو اعتدال وتوازن سے بیان کیا ہے، یہ ۱۹۲۴ء/ ۱۳۴۳ھ کی تالیف ہے، حضرت تھانویؒ نے ۱۹۲۶ء/ ۱۳۴۵ھ میں حضرت گنگوہیؒ کا تذکرہ ''یادِ یاراں'' کے نام سے مرتب کیا، اس کا انداز بھی ''ذکرِ محمود'' جیسا ہے۔ دونوں پر ''تذکرہ'' کی اصطلاح زیادہ چسپاں ہوتی ہے؛ اس لیے کہ زندگی کے بہت سے پہلو مذکور نہیں ہیں۔

۱۹۳۴ء/ ۱۳۵۲ھ میں ''تذکرۃ الانور'' وجود میں آیا، یہ ماہ نامہ ''القاسم'' دیوبند میں شائع

شدہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا ''خاکہ'' ہے، اس میں خاکہ نگار کا نام لکھا ہوانہیں ہے، خاکہ کی اصطلاح مکمل طور پر صادق آتی ہے۔ ۱۹۳۵ء/ ۱۳۵۴ھ میں ''ذوالنون مصری'' کا خاکہ حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے مرتب کیا، اس میں سوانحی معلومات کے ساتھ ملفوظات، اشعار اور کرامتوں کو بھی اکٹھا کیا ہے۔ ۱۹۳۵ء/ ۱۳۵۴ھ میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی سوانح ''سوانح قاسمی'' کے نام سے مرتب فرمائی، اس کی پہلی جلد مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے لکھے ہوئے خاکہ کی تفصیلات و مضمرات پر مبنی ہے، گویا خاکہ متن اور سوانح شرح کا درجہ رکھتی ہے، دوسری اور تیسری جلد میں بھی دوسری سوانحی نگارشات سے لیے گئے مواد کی تشریحات اور رموز بیانی اور فلسفۂ حیات کی وضاحت کا انداز غالب ہے، سوانحی اصول وضابطے پر ''سوانح قاسمی'' مکمل طور پر اترتی ہے، اس کے باوجود مقالہ نگار کو اس کے بعض مندرجات پر تسامحات کا شبہ ہے۔

۱۹۳۶ء/ ۱۳۵۵ھ میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے جدامجد، عظیم مجاہد آزادی، بالاکوٹ کے شہید حضرت سید احمد بریلوی کی سوانح مرتب فرمائی، اس کی ترتیب بہت عمدہ ہے، شبلی مکتب کی چھاپ نظر آتی ہے، ''افادی نقطۂ نظر'' سے لکھی گئی ہے، مواد موثوق اور قابل اعتماد ہے، پہلی جلد میں سوانح اور دوسری جلد میں ہجرت اور مجاہدانہ کارناموں کی تفصیل ہے۔

۱۹۳۷ء/ ۱۳۵۶ھ میں خواجہ عزیز الحسن مجذوبؔ اور مولانا عبدالحق نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی سوانح ''اشرف السوانح'' کے نام سے مرتب کی، اس سوانح کی ابتدائی تین جلدیں حضرت تھانویؒ کی نظر سے گزری ہیں، انھوں نے ان میں اصلاحات کی ہیں، غلو سے پاک کرنے اور اعتدال پر لانے کی رہنمائی کی، بعض عناوین خود سے لگائے، اس کے اندر ''آپ بیتی'' اور ''خودنوشت'' جیسی خصوصیات بھی آگئی ہیں، چوتھی جلد ۱۹۴۴ء/ ۱۳۶۴ھ میں، وفات کے بعد لکھی گئی ہے، اس سوانح میں بھی افادی مکتب کی خوبو محسوس ہوتی ہے، واقعاتِ حیات کے احاطے کی بھی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ شخصیت کو فن کارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

۱۹۳۸ء/ ۱۳۵۷ھ میں ''**رحمة الرضوان فی تذکرة ابی حنیفة النعمان**'' کے نام سے حضرت امام اعظم کا خاکہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ نے مرتب فرمایا، اسی سال شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کی حیات وخدمات کو ذکر کرنے کے لیے مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنی ادارت میں نکلنے والے رسالہ ''الفرقان'' کا ''مجدد الف ثانی نمبر'' نکالا، اس رسالے کا دوسرا نمبر ۱۹۴۱ء/ ۱۳۶۰ھ میں ''شاہ

ولی اللہ دہلویؒ'' کی نسبت سے شائع ہوا، اس میں بھی زندگی کے سارے گوشے اس طرح اکٹھا ہیں کہ مقالہ نگار کو کسی اور جگہ اتنا کثیر مواد حضرت شاہ صاحبؒ پر نہیں ملا، اس میں سوانح نگاری کے جزئیاتی اور حقیقت پسندی والے مکتب کی خوبو نظر آتی ہے، مولانا مودودی نے سارے مجددین کی ناکامی کے اسباب پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ مدیر محترم نے اس کو اپنی تعلیقات کے ساتھ شامل اشاعت کیا ہے۔ ۱۹۳۹ء/ ۱۳۵۸ھ میں مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ نے ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' لکھ کر سوانح نگاری کے باب میں اضافہ فرمایا، اس میں بھی ''افادی دبستان'' کی خصوصیات نظر آتی ہیں، اس میں بعض اہلِ علم کی سوانح اور اکثر کے خاکے پیش کیے گئے ہیں، خاکے میں جامعیت کا عنصر غالب ہے۔

۱۹۴۴ء/ ۱۳۶۴ھ میں بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی سوانح مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے مرتب کی، ترتیب اور انداز بہت عمدہ ہے، اوّلین سوانح عمری اتنی معلومات افزا ہے کہ موصوف پر اس سے اچھی سوانح اب تک لکھی نہ جاسکی، اس میں ''افادی دبستان'' کی خصوصیت نظر آتی ہے، اسی سال مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنی خودنوشت لکھی، اس کا نام رکھا ''میری زندگی'' اس کی زبان بہت سادہ، پُرکشش اور چست ہے، الفاظ کا انتخاب، چھوٹی چھوٹی ترکیبیں پڑھنے کا لطف دیتی ہیں، مثالی خودنوشتوں میں اس کا شمار ہوتا ہے، دوسال بعد مولانا سندھی کی ''ذاتی ڈائری'' طبع ہوئی، اس میں خاکہ بھی ہے اور ''خودنوشت'' بھی، اسی طرح معاصرین کی دوٹوک رائیں بھی، موصوف کے کمزور پہلو کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔

۱۹۴۵ء/ ۱۳۶۵ھ میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے حضرت تھانویؒ کی سوانح ایک نئے انداز سے لکھی، محض خطوط اور ذاتی معلومات کو ترتیب دے کر سوانح نگاری کی دنیا کو ایک نئی راہ دکھائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری یعنی سیرت نگاری میں بھی علمائے دیوبند کی خدمات قابلِ قدر ہیں، انیسویں صدی کے شروع (۱۹۰۲ء/ ۱۳۲۰ھ) میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری کو ''اسلام'' کے نام سے مرتب فرمایا، اس میں قابلِ اعتماد مراجع وماخذ سے مواد حاصل کیا، چار حصوں میں مکمل ہوئی، تکمیل کے بعد اس کا نام ''تاریخ اسلام'' رکھا؛ لیکن اس نام سے اکبر شاہ نجیب آبادی اور شاہ معین الدین ندویؒ کی کتابیں بھی بازار میں ملتی ہیں؛ اس لیے اس کتاب کو ''تاریخ اسلام عاشقی'' کے نام سے لوگ جانتے ہیں، ''مکتبہ فیصل دیوبند'' نے اسی نام سے چھاپا بھی ہے، اس کے نوسال بعد ۱۹۱۱ء/ ۱۳۳۰ھ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب ''نشر الطیب''

لکھی گئی، اس کو قبولِ عام حاصل ہوا، پھر ۱۹۲۴ء/۱۳۴۳ھ میں حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے ''سیرت خاتم الانبیاء'' کے نام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مرتب فرمائی، یہ کتاب آج بھی دارالعلوم دیوبند اور اس طرز پر چلنے والے مدارس کے نصاب کا حصہ ہے۔

۱۹۳۶ء/ ۱۳۵۵ھ میں ممبر پارلیمنٹ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے ''سیرتِ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)'' کے نام سے طلبہ مدارس کے لیے سوانح نبوی تصنیف فرمائی؛ اسی سال مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ''فلسفۂ سیرت'' پر ایک کتاب ''النبی الخاتم'' کے نام سے تصنیف فرمائی، اس کتاب میں موصوف کے نادر استدلال، اچھوتے اسلوب اور اختصار کے بانک پن بہت ہیں، یہ نو دہائیوں سے سیرت کی بہت زیادہ پڑھی جانے والی کتابوں میں شامل ہے، ایک بار پڑھ کر دوبارہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

۱۹۳۹ء/ ۱۳۵۸ھ میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے ''سیرۃ المصطفیٰ'' تصنیف فرمائی، یہ تین جلدوں پر مشتمل ہے، سیرت کے سارے پہلو کو محیط ہے، اس کا اندازِ بیان علمی اور تحقیقی ہے، اسلوب میں محدثانہ رنگ غالب ہے اور بعض جگہوں پر مناظرانہ انداز بھی ہے، مخالف اسلام نظریات کی مرعوبیت سے پاک ہے، اسی سال قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی نے نہایت ہی آسان زبان میں ابتدائی طلبۂ مدارس ومکاتب کے لیے ''نبی عربی'' (علیہ السلام) کے نام سے کتاب تصنیف فرمائی، اس کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مقالہ نگار کو آزادی سے قبل علمائے دیوبند کی سوانح عمریوں کے تنقیدی تجزیہ کے لیے تلاش وجستجو کے بعد سوانحی نگارشات چونتیس (۳۴) ملیں؛ جن میں سوانح بیس (۲۰) خاکے نو (۹)، خودنوشت دو (۲) تذکرے تین (۳) ہیں، ان سب فن پاروں کا سائنٹفک تجزیہ لکھنے کا موقع نصیب ہوا۔ الحمد للہ!

حوالہ جات

(۱) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: باب: ۱۱۱، ص: ۶۳۶، مطبوعہ ۱۹۷۱ء/۱۳۹۱ھ۔ (۲) اردو دائرۃ معارف العلوم، سائٹ۔
(۳) مولانا اشرف علی تھانویؒ: امداد الفتاویٰ: ۴/ ۶۵۵، زکریا دیوبند ۱۹۷۴ء/۱۳۹۴ھ۔
(۴) ڈاکٹر اسجد ترکی: علمائے دیوبند اور اردو صحافت (مقالہ پی ایچ۔ڈی): ص/ ۱۳۹۔
(۵) ڈاکٹر اسجد ترکی: علمائے دیوبند اور اردو صحافت (مقالہ پی ایچ۔ڈی): ص/ ۱۳۹۔
(۶) مولانا سید اصغر حسین: حیات شیخ الہندؒ: ص/ ۱۵، دارالکتب اصغریہ، دیوبند ۱۹۲۱ء/ ۱۳۴۰ھ
(۷) مولانا مدثر جمال تونسوی: ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند، مارچ، اپریل، ۲۰۱۲ء/ ۱۴۳۲ھ

اردو نثر نگاری میں حسن وکمال کیسے پیدا ہو؟

مولانا شفیع اللہ صاحب قاسمی اعظمی/مقیم حال، دوبئی

اللہ تعالی نے ہر انسان کو مختلف خصوصیات اور گونا گوں کمالات سے نوازا ہے، انہیں میں سے ایک خوبی ہے اپنے جذبات، خیالات، احساسات اور ضروریات کا ابلاغ اور اس کی ترسیل، اور ضروریات کئی طرح کی ہوسکتی ہیں خواہ ذاتی ہوں، معاشرتی ہوں، ملکی ہوں، یا مذہبی، ان تمام کے لئے یا تو شعروشاعری کا سہارا لیا جاتا ہے یا تحریرونثر نگاری کا۔ البتہ شعروشاعری ایک محدود دائرہ رکھتی ہے جبکہ نثر نگاری اور تحریر کا دامن بہت وسیع وعریض ہے اس میں ہر صنف سخن سما سکتی ہے۔

نثرنگاری کیا ھے؟

جب ہمارا قلم صفحۂ قرطاس پر رواں دواں ہوتا ہے تو اس کے ذریعے چند نقوش ابھرتے ہیں، وہ نقوش الفاظ، جملے اور عبارات کے خوشنما پیرہن میں نظر آتے ہیں، انہیں سے جو رنگ وروپ ابھر کر سامنے آتا ہے اسی کو تحریر کہتے ہیں۔ تحریر ایک مؤثر اور پاکیزہ صنف نگارش ہے خاص طور سے اردو تحریر! آیئے اس بارے میں مفتی ابولبابہ شاہ منصور دامت برکاتہم کی زبانی سنتے چلیں، وہ کہتے ہیں:

''تحریر ایک نازک اور مقدس عمل ہے یہ قوم کے مزاج اور سوچ کی رہنما ہے، تحریر قلم کی امانت ہے،

مزید لکھتے ہیں کہ اس کا موضوع کچھ بھی ہو، تحریر کو پورے اہتمام، توجہ اور واضح مقصد کے ساتھ لکھنا چاہیے،،

میری اس تحریر کا عنوان ہے ''اردو نثر نگاری میں حسن وکمال کیسے پیدا ہو؟'' اس عنوان کے ذریعے چند باتیں لکھنا چاہتا ہوں، سب سے پہلے تو ہمارے پیش نظر یہ بات رہے کہ جس طرح ہر چیز کے کچھ اصول ہیں اسی طرح اردو نثر نگاری کے بھی کچھ اصول ہیں جس کا خیال رکھ کر ہم اپنی تحریر کو خوبصورت، موثر، معتبر اور دیرپا بنا سکتے ہیں۔

تحریر کے عناصر تو یہی الفاظ، جملے، پیراگراف اور اسلوب ہیں، لیکن انہیں کس طرح برتا جائے کہ تحریر کی خوبی اور چاشنی دوبالا ہو سکے۔ اس سلسلے میں اپنی بات کی ابتداء اپنے بزرگ، مشفق، مرحوم استاذ محترم مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کے اقوال سے کرتا ہوں۔

وہ اکثر فرماتے تھے،، تحریر کی خوبی یہ نہیں ہے کہ غامض اور ثقیل الفاظ کا استعمال کیا جائے،

جملے کے اندر جملے ہوں، تعقیدات لفظی یا معنوی ہوں، بلکہ زبان صاف ستھری ہو، سہل نگاری ہو ثقالت نہ ہو، مشکل ترکیبوں سے خالی ہو، جملہ معترضہ کی بھرمار نہ ہو، الفاظ کے انتخاب میں یہ بات ملحوظ ہو کہ رائج الفاظ ہوں، تسلسل ہو، ایک پیراگراف سے دوسرا پیراگراف مربوط ہو، تحریر تکلف وتصنع سے خالی ہو، تا کہ قاری آپ کی تحریر سے اکتاہٹ کا شکار نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت الاستاذ غیر معمولی علمی رسوخ اور الفاظ پر مکمل دسترس ہونے کے باوجود مذکورہ بالا خوبیوں سے اپنی تحریر کو مالا مال کرکے ہدیہ ناظرین کرتے اور لوگ دیوانہ وار ان کی تحریر کی طرف لپکتے اور اس سے لطف اندوز ہوتے تھے۔،،

دوسری اہم بات یہ ہے کہ لکھتے وقت ذہن کو کافی بیدار اور چوکنا رکھنا چاہئے، اور الفاظ کی کانٹ چھانٹ ذہن ہی میں کرلینی چاہئے تا کہ ہماری مرضی کے بغیر کوئی لفظ خود سے اپنی جگہ نہ بنا سکے، اس طرح بہت سے غیر ضروری الفاظ ہماری تحریر سے باہر ہوجائیں گے، اکثر لوگوں کی تحریروں میں مَیں، نے، کے، تحت، سے، وغیرہ چپکے سے داخل ہوجاتے ہیں جو تحریر کے حسن کو خراب کردیتے ہیں، مسعود حسن رضوی کی کتاب ''ہماری شاعری'' اور ماہر القادری کے تبصرے کو مطالعہ میں رکھنا چاہئے تا کہ اس طرح کی غلطیوں سے بچا جاسکے اور تحریر حسن وخوبی سے معمور ہو۔ ماہرین تحریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ تحریر میں جملے چھوٹے چھوٹے ہوں نہ کہ لمبے اور دراز، کہ مبتدا کہیں ہو اور خبر کہیں اور۔ جب بات کی ابتدا اور انتہا کا جوڑ نہیں مل پاتا ہے تو قاری اور مخاطب کو بار بار دہرانے کی ضرورت پیش آتی ہے جس کی وجہ سے وہ اکتاہٹ کا شکار ہوجاتا ہے، اردو زبان دنیا کی اور زبان سے ذرا ہٹ کر ہے اس کے اندر گلاب کی پنکھڑی جیسی نازکی ہے، وہ پیچ در پیچ اور دراز جملوں کا بار اٹھانے سے جلد تھک جاتی ہے، ایسے ہی صحت املا اور تلفظ کی درستگی بھی کافی اہمیت رکھتی ہے۔

تحریر میں ایک بات یہ بھی پیش نظر رکھنے کی ہے کہ مترادف الفاظ ہوں لیکن بہت زیادہ نہ ہوں، اگر مترادفات اعتدال میں ہوں گے تو تحریر دوآتشہ ہوجائے گی لیکن حد اعتدال سے زیادہ ہو تو ثقالت اور پیچیدگی پیدا ہوگی جو قاری ومخاطب کے لئے الجھن اور اکتاہٹ کا سبب بنے گی۔ زود فہم اور زود اثر نہ ہونے کی وجہ سے اپنے مقصد کو کھودے گی۔ اسی طرح اسلوب وانداز اختیار کرتے وقت بھی بہت ہی غور وفکر سے کام لینا چاہئے، تا کہ تحریری خاکہ میں رنگ بھرتے وقت اس کا حسن اور سلاست وروانی برقرار رہے۔ اخیر میں جو سب سے اہم بات ہے وہ یہ کہ مخاطب کے ذہن، علم اور درجات کی رعایت ہو، اگر ان چیزوں کا خیال نہ رکھا جائے تو اس وقت تحریر عارضی اور وقتی کشش کا سبب تو بن سکتی ہیں لیکن دائمی یادگار نہیں بن سکتی ہے۔

خاصانِ خدا کے آخری لمحاتِ زندگی

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

مولانا محمد یاسین صاحب (متوفی: ۹؍صفر ۱۳۵۵ھ [یکم مئی ۱۹۳۶ء])

آپ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے والد ماجد تھے، ولادت ۱۲۸۲ھ میں ہوئی، تاریخی نام ''افتخار'' ہے ۔۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا، گویا آپ دارالعلوم کے بالکل ہم عصر ہیں۔ عربی تعلیم دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور کے اکابر علماء سے حاصل کی، جس میں مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی (صدرالمدرسین) مولانا سید احمد دہلوی، ملا محمود دیوبندی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ طالب علمی کا پورا زمانہ انتہائی عسرت اور تنگدستی میں گذارا، لیکن طلب علم میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، ۱۳۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، آپ رفقائے درس میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی اور حافظ محمد احمد صاحب (مہتمم) جیسے حضرات تھے، فراغت کے بعد دارالعلوم میں ہی خدمت تدریس میں مشغول ہوگئے۔

آپ دارالعلوم کے شعبۂ فارسی کے صدر تھے، فارسی کی انتہائی کتابیں نہایت ذوق وشوق اور کامل تحقیق کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے، خارج اوقات میں عربی کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے، آپ کا درس بہت مقبول تھا، چالیس سال سے زائد عرصہ تک تدریس کا سلسلہ جاری رہا، دیوبند کے کم گھرانے ایسے تھے جو آپ کے حلقۂ درس کے فیض یافتہ نہ ہوں، بعض گھرانوں میں تو باپ، بیٹے اور پوتے یعنی تین نسل نے آپ سے پڑھا۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا میاں اصغر حسین صاحب دیوبندی، علامہ شبیر احمد عثمانی اور مشہور اہل حدیث عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری قابل ذکر ہیں۔

تدریسی مصروفیات کے ساتھ کتب بینی اور تصنیف وتالیف کا بھی ذوق تھا، ان دینی واصلاحی مضامین کے علاوہ جو اخبارات ورسائل میں شائع ہوئے، یہ کتابیں بہت مقبول ہوئیں: مفید نامہ جدید، جدید صفوۃ المصادر، شرح صفوۃ المصادر، انشاء فارغ۔ یہ سب کتابیں فارسی کے طلباء کے لئے نہایت مفید ہیں اور دارالعلوم دیوبند سمیت متعدد مدارس میں داخل نصاب رہیں۔ (تلخیص مفتی اعظم نمبر)

فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی علیہ الرحمہ سے بیعت ہو گئے تھے، اور منازل سلوک طے کیں، عبادت کا خاص ذوق تھا، اوراد و معمولات اور تکبیر اولیٰ کا بہت اہتمام تھا۔ اخیر حیات میں جب گونا گوں امراض وعوارض کا ایک تسلسل رہتا تھا اور عام معمولات زندگی اس سے متاثر تھے، اس حال میں بھی جماعت کا وقت ہوتے ہی سب سے پہلے مسجد میں حاضر ہوتے تھے، آپ کی غیر معمولی عزیمت واستقامت کے کئی واقعات حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب ''میرے والد ماجد اوران کے مجرب عملیات'' میں ذکر کئے ہیں۔

مرضِ وفات: مرض وفات میں دو ماہ تک ورم جگر اور کثرت اسہال کی شدید تکلیف اور بخار میں مبتلا رہے مگر لاٹھی کے سہارے مسجد میں پہونچتے رہے، جب اس کی بھی سکت نہ رہی تو مجبوراً ۵۶ دن کی نمازیں گھر پر ادا کرنی پڑیں۔

اپنے لائق فرزند حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے ایک روز فرمانے لگے کہ شفیع ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں انہیں دستوں میں ختم ہو جاؤں گا، مگر کچھ غم نہیں، کیوں کہ حدیث میں اس کو بھی شہادت فرمایا گیا ہے، شب جمعہ میں مغرب کے وقت حالت نازک اور بالکل نزع کا سا عالم تھا، مفتی صاحب کی والدہ نے مفتی صاحب سے فرمایا کہ اس وقت تم مسجد نہ جاؤ، نماز مغرب یہیں ادا کرلو، مگر جماعت کے اس عاشق نے اسی نزع کے عالم میں فرمایا ''نہیں مسجد'' حضرت مفتی صاحب نے حکم کی تعمیل کی، جمعہ کو صبح صادق کے وقت مفتی صاحب کو اٹھایا کہ جلدی کرو، میرے کپڑے اور بدن پاک کرنے ہیں، نماز قضا نہ ہو جائے؟ کپڑے اور بدن پاک ہونے کے بعد فرمایا کہ مجھے وضو کے لئے بٹھاؤ، مفتی صاحب نے اٹھایا تو معلوم ہوا کہ اعضا کی جان نکل چکی ہے، اٹھاتے ہی آنکھیں چڑھ گئیں، حالت بدل گئی، لٹا دیا گیا، پھر کچھ سکون ہوا، اور ذکر وتوبہ واستغفار کرنے لگے، پھر اچانک مفتی صاحب کی والدہ محترمہ سے فرمانے لگے کہ رسول مقبول ﷺ۔ اتنے الفاظ تو سنے گئے، اس کے بعد کوئی ایسا جملہ فرمایا کہ ''تشریف لائے'' یا اس کے ہم معنی جو سمجھ میں نہ آئے، نزع شروع ہو چکا تھا، کلمہ پڑھتے رہے، یہاں تک آواز ختم ہوگئی مگر زبان کی حرکت باقی رہی، بالآخر چند منٹ میں ان سب حرکات کو ہمیشہ کے لئے سکون ہو گیا، اور آپ کی اس دعا کی مقبولیت ظاہر ہوگئی جو اکثر پڑھا کرتے تھے۔

جب دم واپسیں ہو یا اللہ!　　لب پہ ہو 'لا الہ الا اللہ'

(البلاغ مفتی اعظم نمبر۔ ج:۱، ص:۸۵ طبع دوم)

تعارف وتبصرہ

نام کتاب : اَلْمُعْتَصَر من آثار السنن و إعلاء السنن
اختصار وتخریج : حضرت مولانا محمد عارف جمیل قاسمی مبارک پوری زید مجدہٗ
استاذِ ادب عربی دار العلوم دیو بند
صفحات : ۴۱۶ ، قیمت: ۱۵۰ روپے
ناشر : مکتبہ علمیہ دیو بند

====================

تبصرہ نگار: مولانا مفتی اشتیاق احمد صاحب قاسمی استاذ دار العلوم دیو بند

اسلام آخری آسمانی مذہب ہے، قیامت تک کوئی اور مذہب آنے والا نہیں، اسلام کا ہر مسئلہ یا تو قرآن وسنت سے ثابت ہے یا اجماعِ امت سے؛ قیاس، نصوص میں غور وفکر کرنے کا ذریعہ ہے، تینوں اصولِ شریعت میں یا تو مسئلہ صریح عبارت میں موجود ہے، یا دلالۃ النص میں، یا اشارۃ النص میں کہیں کہیں اقتضاء النص سے بھی مسئلہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اس کے علاوہ بھی اصول میں جو علمائے اصول نے کتابوں میں لکھی ہیں، نئے مسائل کے حل میں پُرانے مسائل کو نظیر بنا کر بھی استدلال کا استیناس کیا جاتا ہے۔

غرض یہ کہ اسلام کا ہر مسئلہ کسی نہ کسی دلیل سے ثابت ہے، باطل طاقتوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر شکوک وشبہات پھیلانا شروع کر دیا، ہر مسئلہ کے لیے صریح آیت یا صریح حدیث کو ضروری قرار دے دیا، سنت (آثار) صحابہ اور اجماع کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہ رہی، دھیرے دھیرے اُن کی بے اصولی نے اصول کا جامہ پہن لیا، پھر فقہ اور اصول فقہ کا مذاق اڑایا جانے لگا، فقہائے کرام کو محرِّفِ دین بتایا جانے لگا، اُن کا ہر عامی آدمی مجتہد ہوگیا اور یہ فتنہ ہمہ گیر بن گیا، اب وہ مسائل جو نصوص سے ثابت ہیں، محض رائے اور قیاس سے ثابت شدہ کہے جانے لگے، ایسی صورت میں اہلِ حق

نے بھی اپنے منصوص دلائل کو منصۂ شہود پر لانے کی کوششیں کیں، ''آثار السنن'' اور ''اعلاء السنن'' انھیں کوششوں کا حصہ ہیں، آثار السنن نے خوب کام کیا؛ مگر وہ عبادات کے ساتھ معاملات کے ابواب کو محیط نہ تھی، اس تشنگی کو ''اِعلاء السنن'' نے دور کیا؛ مگر وہ مبسوط اتنی ہے کہ ہر آدمی کے پاس ہونا اور ہر ایک کا اس میں سے دلائل کو تلاش کرنا مشکل ہے؛ اس لیے ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جس میں جامعیت اور اختصار دونوں پہلوؤں کا لحاظ کیا گیا ہو؛ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند، شرعی علوم کے ساتھ عربی زبان وادب پر بے مثال قدرت رکھنے والی شخصیت: حضرت اقدس مولانا محمد عارف جمیل قاسمی مبارک پوری مدظلہ العالی نے اس ضرورت کو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پڑھنے کے دوران محسوس کیا اور اکابر اساتذہ سے مشورہ کے بعد مردانہ وار کام میں لگ گئے، موصوف نے مذکورہ دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر بہترین اختصار تیار فرمایا، ابواب کے اختصار کے ساتھ احادیث وآثار کا اختصار بھی کیا، ہر باب کے تحت صرف دو تین حدیثیں درج فرمائیں، پھر ساری احادیث کی تخریج بھی کی، اگر وہ احادیث صحیحین میں موجود تھیں تو صرف ان کا حوالہ دیا ورنہ دوسری سنن ومسانید کی طرف مراجعت کی اور ہر حدیث کا درجۂ استناد بھی رقم فرمایا اور بعض جگہوں پر حدیث واثر کے درجۂ استدلال کو بھی لکھا؛ تاکہ قاری کی تشنگی دور ہو۔

تلخیص واختصار اور تخریج وترتیب میں مؤلف محترم نے بڑی سلیقہ مندی دکھائی ہے، صرف پونے چار سو صفحات میں انھوں نے احادیث وآثار کا دریا سمودیا، اگر تخریج کو شمار نہ کیا جائے تو کتاب صرف ڈیڑھ سو صفحات کی ہے، اتنی مختصر اور جامع کتاب کو نصاب میں داخل ہونا چاہیے، آج غیر مقلدین کے فتنے کے دور میں اہلِ مدارس کو سر جوڑ کر سوچنا چاہیے، اگر پوری کتاب داخل نہ کریں تو اختلافی مسائل والے ابواب کی نشاندہی کر کے طلبہ کو پڑھا دیں، آج ہمارا فاضل مسائل جانتا ہے؛ مگر اس کو دلائل یاد نہیں ہوتے، بسا اوقات غیر مقلدین کے سامنے خاموش ہوجاتا ہے؛ اس لیے کہ وہ اپنے چند مسائل اپنے کمزور دلائل کے ساتھ رٹے ہوئے ہوتے ہیں اور ہم مسائل یاد کراتے ہیں، دلائل نہیں؛ اس لیے اس جانب اجتماعی طور پر توجہ مبذول کرنا ضروری ہے۔ وباللہ التوفیق

غرض یہ کہ ''**المعتصر**'' کا نیا ایڈیشن اپنی ظاہری اور معنوی خوبیوں سے لبریز ہے، کتابت وطباعت اور ٹائٹل سب جاذبِ نظر ہیں، اللہ رب العالمین اسے قبولیت عامہ وتامہ نصیب فرمائیں!

☆☆☆☆☆

عزم مومن

حضرت مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ مبارکپوری (المتوفی اپریل ۱۹۹۳ء) سابق صدر المدرسین مدرسہ منبع العلوم خیرآباد اُردو اور عربی کے ایک نغز گو اور باکمال شاعر و ادیب تھے، ان کے عربی کلام کا مجموعہ ''القصائد الغالیہ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، بہت پہلے اردو نعتوں کا ایک مختصر سا مجموعہ ''نور وسرور'' کے نام سے شائع ہوا تھا۔ یہ نظم اسی مجموعے سے حاصل کی گئی ہے۔ اب ہمارے فاضل دوست مولانا محامد ہلال صاحب قاسمی کی سعی وکاوش سے ان کے اردو وعربی کلام کا مجموعہ ''کلیات ساحرؔ'' کے نام سے عنقریب منظر عام پر آرہا ہے۔

نتیجۂ فکر: حضرت مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ مبارکپوریؒ

ہزاروں طوفاں اٹھا کیے ہیں، ہزاروں طوفاں اٹھا کریں گے
جو ان کا کلمہ پڑھا کیے ہیں وہ ان کا کلمہ پڑھا کریں گے
اٹھیں بلائیں، گرائیں بجلی، اڑائیں ہوا کے جھونکے لیکن
مرے نشیمن کے شوخ تنکے فلک سے باتیں کیا کریں گے
بگولے اٹھیں گے بیٹھ جائیں گے، ٹوٹ جائیں گے آبلے بھی
یہ عزم محکم کا ہمنشینو! مقابلہ تا کجا کریں گے
جو باندھتا ہے تو باندھ صیاد شوق سے میرے دست وبازو
نماز الفت قضا نہ ہوگی یہ سر بھی دے کے ادا کریں گے
ترانے وحدانیت کے ہر سو پھریرے ناموس مصطفیٰ کے
چمن کی ہر شاخ تر پہ ہمدم ہونہی ہمیشہ اڑا کریں گے
بلا دشمن سے بنے زمانہ، بلا سے ویراں ہو آشیانہ
ہم ان کا ذکرِ جمیل پیہم کریں گے اور برملا کریں گے
ہمارا سدرہ کی چوٹیوں پر پہونچ کے ساحرؔ مقام ہوگا
جو منزل قدس کے ہیں راہی وہ ان بسیروں کو کیا کریں گے

☆☆☆☆☆